ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی

جلد: ۳۴ شمارہ: ۵۳ ۳۱ر دسمبر ۲۰۲۱ء تا ۶ر جنوری ۲۰۲۲ء — ۲۶ر جمادی الاوّل تا ۲ر جمادی الآخر ۱۴۴۳ھ

Year-34 Issue-53 31 Dec, 2021 - 6 Jan. 2022 Page 16

پارلیمنٹ کا سرمائی اجلاس چھوڑ گیا ہے اپنے پیچھے کئی

اہم سوال

کیا ہمارا سیاسی نظام ان کا حل تلاش کرے گا؟

ہمارے محترم وزیر اعظم ایک طرف تو پارلیمنٹ کو جمہوریت کا مندر قرار دیتے ہیں اور دوسری طرف اس کی عظمت کو پامال کرتے ہوئے بلا کسی سیاسی حصہ داری کے اپنی من مرضی سے اکثریت کے بل پر قوانین منظور کرا لیتے ہیں جبکہ پارلیمنٹ صحیح ڈھنگ سے چلانے کی تمام تر ذمہ داری حکومت کی ہی ہوتی ہے۔ محمد سالم جامعی

جس وقت آپ ہمارا یہ کالم پڑھ رہے ہوں گے پارلیمنٹ کا سرمائی اجلاس اپنے انجام کو پہنچ چکا ہوگا۔ یہ اجلاس ۲۹ر نومبر کو شروع ہوا تھا جو ایک ماہ تک جاری رہ کر ۲۷ر دسمبر کو مقررہ وقت سے ایک دن پہلے ہی اپنے اختتام کو پہنچ گیا۔ یہ اجلاس بھی اکثر و بیشتر تعطل کا ہی شکار رہا۔ راجیہ سبھا تو پورے ماہ تقریباً ٹھپ ہی رہی اس لیے کہ راجیہ سبھا کے اجلاس کے پہلے ہی دن چیئرمین وینکیا نائیڈو نے اپوزیشن کے بارہ ارکان کو اجلاس کی پوری مدت کے لیے ایوان سے معطل کردیا تھا۔ ان پر الزام تھا کہ انھوں نے پارلیمنٹ کے بارانی اجلاس کے دوران ایوان میں بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایوان کی کارروائی میں تعطل کی کوشش کی تھی۔ چیئرمین کے اس فیصلے کے خلاف راجیہ سبھا میں پورا اپوزیشن اُٹھ کھڑا ہوا۔ معطل ارکان نے گاندھی جی کے مجسمہ کے پاس دھرنا دے دیا اور اپوزیشن نے ان کی واپسی کے مطالبہ کو لے کر راجیہ سبھا کی کارروائی نہیں چلنے دی جبکہ چیئرمین کا کہنا ہے کہ جب تک یہ ممبران معافی نہیں مانگیں گے ان کی واپسی نہیں ہوگی جس کے نتیجے میں راجیہ سبھا میں پوری مدت کے دوران کوئی خاص کام نہیں ہوسکا ہے اور اس کا اکثر وقت تعطل کی نظر ہوتا رہا ہے۔ اب یہاں سوال یہ ہے کہ آخر اس کا ذمہ دار کون ہے؟

ابھی ہم نے گزشتہ ۲۶ر نومبر کو یوم دستور منایا ہے۔ ۲۶ر نومبر ۱۹۴۹ء کو ملک نے اپنا دستور مکمل کر کے اس پر دستخط کیے تھے۔ ہمارے دستور سازوں کے یہ دستخط ملک کے ہر شہری کی نمائندگی کرتے ہیں۔ یہ دستخط کل ملا کر اس بات کی قبولیت اور منظوری ہیں کہ ملک کا دستور سب سے اوپر ہے۔ ہمارے وزیر اعظم کئی مرتبہ اسے ہماری سب سے بڑی مذہبی کتاب کہہ چکے ہیں۔

(باقی ص۱۲ پر)

اندر پڑھیے

• آزاد بھارت میں ملّی سیاست - راستہ اور منزل ص۵ • مطلق العنانیت سے بڑھ کر کوئی وبا نہیں ص۸

• یوپی میں ہندو کارڈ کو متحد کرنے کیلئے مسلمانوں کے قتل عام کا سہارا ص۹ • انسانی اعمال اور اس کے اثرات: قرآن وسنت کی روشنی میں ص۱۰

ایغور مسلمانوں کا استحصال
چین پر نئی امریکی پابندیاں

امریکہ نے ایغور اقلیتوں کے حقوق کی خلاف ورزی پر چین کی جاسوسی اور بائیوٹیکنالوجی کمپنیوں پر پابندیاں عائد کردی ہیں۔ بائیڈن انتظامیہ کو خدشہ ہے کہ چین امریکی ٹیکنالوجی کو ایغور عوام کے خلاف استعمال کرسکتا ہے۔ امریکی محکمہ تجارت اور خزانہ نے چین پر ان نئی کمپنیوں کے خلاف پابندیوں کا اعلان کیا۔ امریکہ کا کہنا ہے کہ یہ کمپنیاں چین کے مغربی صوبے سنکیانگ میں ایغور اقلیتوں کے ساتھ ہونے والی بڑے پیمانے پر زیادتیوں میں ملوث ہیں۔ امریکی وزارت کامرس نے ایک بیان میں کہا کہ یہ پابندیاں بیجنگ کی جانب سے امریکی قومی سلامتی اور خارجہ پالیسی کو لاحق خطرات کے مدنظر عائد کی گئی ہیں۔ امریکی وزیر کامرس جینا رائے مونڈو کا کہنا تھا کہ چین ان ٹیکنالوجیوں کا استعمال اپنے عوام کو کنٹرول کرنے اور نسلی اور مذہبی اقلیتی گروپوں کے اراکین کو کچلنے کے لیے کررہا ہے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ہم اس بات کی اجازت نہیں دے سکتے کہ ایسی امریکی اشیا، ٹیکنالوجی اور سافٹ ویئرز جو میڈیکل سائنس اور بائیوٹیکنالوجی کے شعبے میں اختراعات کے لیے معاون ہیں، ان کا استعمال امریکی قومی سلامتی کے برخلاف کیا جائے۔ امریکی وزارت کامرس کی جانب سے جن کمپنیوں اور اداروں پر پابندی عائد کی گئی ان میں چین کی اکیڈمی آف ملٹری میڈیکل سائنسز بھی شامل ہے۔ اس ادارے کے تحت کام کرنے والے گیارہ تحقیقاتی مراکز پر بھی پابندی عائد کی گئی ہے۔ ان اداروں میں بائیوٹیکنالوجی کا چینی فوج کے استعمال کے حوالے سے تحقیقات ہوتی ہیں۔ محکمہ کامرس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ ان افراد، تنظیموں اور کمپنیوں پر پابندی عائد کرسکتی ہے جو امریکہ کی قومی سلامتی کے لیے خطرہ بن سکتے ہیں یا جو امریکہ کی خارجہ پالیسی کے مفادات سے متصادم ہیں۔ ان پابندیوں کے تحت اشیا کے ایکسپورٹ، ری ایکسپورٹ اور ملک کے اندر منتقلی پر پابندی شامل ہے۔ امریکی کمپنیوں یا شہریوں کو ممنوعہ کمپنیوں کے ساتھ تجارت کے لیے پیشگی اجازت لینا پڑتی ہے۔ امریکی وزارت تجارت نے اپنے بیان میں کہا کہ جن آٹھ چینی کمپنیوں پر پابندی عائد کی گئی ہے وہ چین کی ملٹری انڈسٹریل کمپلیکس سے منسلک ہیں۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ چین کی جارجیا، ملیشیا اور ترکی میں واقع ان کمپنیوں پر بھی پابندی عائد کردی گئی ہے جو ایران کو فوجی استعمال کے لیے ٹیکنالوجی منتقل کرنے میں مدد کررہی ہیں۔ امریکہ حالیہ دنوں میں چین پر دباؤ بڑھا رہا ہے۔ صدر جو بائیڈن کی انتظامیہ نے ایک روز قبل چین کی درد کش ادویات بنانے والی کمپنیوں کو امریکہ کو نشے کے بحران میں مبتلا کرنے پر نشانہ بنایا تھا جبکہ اس سے قبل بیجنگ میں ہونے والے سرمائی اولمپکس کے سفارتی بائیکاٹ کا بھی اعلان کرچکا ہے۔ علاوہ ازیں امریکی سینیٹ نے متفقہ طور پر ووٹ دے کر ایک بل کو کانگریس کی حتمی منظوری دے دی، جس کے تحت جبری مشقت کے پھیلاؤ کی خدشات پر چین کے شمال مغربی خطے سنکیانگ سے تقریباً تمام درآمدات پر پابندی عائد کردی گئی۔ ان اقدامات سے امریکہ اس طرح کی پابندیاں عائد کرنے والا پہلا ملک بن گیا ہے۔ اس قانون کو پیش کرنے والے سینیٹر مارکو روبیو کا کہنا تھا کہ ہم جانتے ہیں کہ یہ ہولناک نسل کشی خطرناک شرح کے ساتھ ہورہی ہے۔ یہ قانون پہلے ہی ایوان نمائندگان سے منظور ہوچکا ہے اور وائٹ ہاؤس کا کہنا ہے کہ اب اس پر صدر بائیڈن دستخط کریں گے۔ جبری مزدوری کی روک تھام کے ایکٹ کے تحت چین کے خطے سنکیانگ سے اس وقت تک تمام اشیا کی درآمد پر پابندی عائد کی گئی ہے، جب تک کہ کمپنیاں اس بات کا قابل تصدیق ثبوت پیش نہ کریں کہ پیداوار میں ایغور مسلمانوں کی غلامی یا جبری مشقت شامل نہیں ہے۔ انسانی حقوق کے ماہرین اور امریکی حکومت کا کہنا ہے کہ دس لاکھ سے زائد ایغور اور دیگر ترک بولنے والے مسلمانوں کو زبردستی چین کی ہان اکثریت میں ضم کرنے کی کوشش میں ہیں۔ □□

ترکی نے جدید ترین ڈرون تیار کرلیا

ترکی نے ایسے جدید ترین ڈرون تیار کرلیے ہیں جن سے بم ڈسپوزل کا کام لیا جاسکتا ہے۔ یہ ڈرون لیزر کی شعاعوں کے ذریعے بم کو ناکارہ بنانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، اس نئے ڈرون پر فوج کی جانب سے تجربات کا سلسلہ جاری ہے۔ جس کے بعد انھیں باضابطہ طور پر فوج کے حوالے کردیا جائے گا۔ یہ ڈرون تین ہزار میٹر کی بلندی سے بموں اور دیگر اسلحہ کو لیزر شعاعوں کے ذریعے ناکارہ بنانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تجربے کے دوران ڈرون نے ۵۰۰ میٹر کی بلندی سے ۹۰ سیکنڈ تک تین ملی میٹر موٹی کاربن اسٹیل پلیٹ میں سوراخ کردیا جبکہ ۱۰۰ میٹر کی بلندی سے اسی ٹاسک پر ۱۰ سیکنڈ کا وقت لگا۔ یہ ڈرون ملک کی دفاعی ٹیکنالوجی ایجنسی Tubitak اور ترک اسپیس گارڈ نے تیار کیا ہے۔

یومِ جمہوریہ کی تقریب میں پانچ مسلم سربراہانِ مملکت کو بلانے کا منصوبہ

ہندستان اس بار جنوری میں اپنے یوم جمہوریہ کی تقریب کے موقع پر ایک نہیں بلکہ پانچ سربراہانِ مملکت کی مہمان نوازی کرنے کی پرزور کوشش میں لگا ہے۔ اس کے لیے اس نے پانچ وسطی ایشیائی ممالک سے رابطے شروع کیے ہیں جن میں سے تین افغانستان کے پڑوسی ممالک ہیں۔ ہندستان ہر برس ۲۶ جنوری کو یوم جمہوریہ کی تقریب مناتا ہے اور اس میں شرکت کے لیے وہ کسی بیرونی ملک کے ایک سربراہ مملکت کو دعوت دیتا ہے۔ روایتی طور پر کوئی نہ کوئی سربراہ مملکت اس تقریب کا مہمانِ خصوصی ہوتا ہے تاہم اس بار ایک کی بجائے پانچ سربراہانِ مملکت کو ایک ساتھ جمع کرنے کی کوشش ہورہی ہے۔ جن ممالک کے صدور کو اس بار ایک ساتھ یوم جمہوریہ کی تقریب میں آنے کی دعوت دی جارہی ہے اس میں قزاقستان، ازبکستان، تاجکستان، ترکمانستان اور کرغستان کا نام سرفہرست ہے۔ ان میں سے تین ممالک ازبکستان، تاجکستان اور ترکمانستان کی سرحدیں افغانستان سے ملتی ہیں۔ 'انڈین ایکسپریس' نے حکومتی عہدیداروں کے حوالے سے خبر دی ہے کہ اس سلسلے میں پانچوں ممالک سے رسمی بات چیت شروع کی جاچکی ہے اور عنقریب ہندستانی وزیر خارجہ ایس جے شنکر ان ممالک کے وزرائے خارجہ کے ساتھ بذات خود بات چیت کرنے والے ہیں۔ اگر ہندستان اپنی اس کوشش میں کامیاب ہوگیا تو اس بار قزاقستان کے صدر قاسم جومارت تاکایوف، ازبکستان کے شوکت مرزیویف، تاجکستان کے امام علی رحمٰن، ترکمانستان کے گربنگ علی بردی محمدوف اور کرغستان کے صدر جباروف جنوری میں دہلی آئیں گے۔ اطلاعات کے مطابق ہندستان علاقے میں اپنی طاقت اور اتحاد کا مظاہرہ کرنے کے لیے پہلے بنگلہ دیش، میانمار، سری لنکا، تھائی لینڈ، نیپال اور بھوٹان جیسے مشرقی ایشیائی ممالک کے سربراہان کو دعوت دی تھی تاہم اس کی یہ کوشش کامیاب نہیں ہوپائی اس لیے اس نے وسط ایشیائی ممالک سے بات چیت شروع کی ہے۔ وسطی ایشیا کے یہ پانچ ممالک طالبان کے زیر اقتدار افغانستان کی صورت حال میں کلیدی حیثیت رکھتے ہیں اور نئی دہلی اس حوالے سے گزشتہ چند مہینوں سے ان کے ساتھ بات چیت کررہا ہے۔ حال ہی میں ہندستانی قومی سلامتی کے مشیر اجیت ڈوبال کی میزبانی میں افغانستان کی سکیورٹی پر ہونے والے اجلاس میں شرکت کے لیے ان تمام ممالک کے نمائندے دہلی آئے تھے۔ اس وقت ان سب نے افغانستان کی موجودہ صورتحال پر تشویش کا اظہار کیا تھا۔ ان وسطی ایشیائی ممالک کے ساتھ روابط مختلف وجوہات کی بنا پر اب پہلے سے کہیں زیادہ اہم ہوگئے ہیں۔ افغانستان پر طالبان کے کنٹرول کے بعد سے خطے میں بڑھتا ہوا چین کا اثر و رسوخ توانائی کی ضروریات اور دیگر تجارتی و ثقافتی روابط کے امکانات کے حوالے سے سکیورٹی تعاون کی اہمیت بڑھ گئی ہے۔ ہندستانی حکومت کی نظر میں یوم جمہوریہ کی تقریب میں مہمان خصوصی بننے کی دعوت علامتی طور پر اہمیت کی حامل ہے۔ طالبان کے آنے کے بعد افغانستان میں ہندستان کی پوزیشن کافی کمزور ہوئی ہے اور اس کی کوشش ہے کہ پڑوسی ممالک کی مدد سے گرفت کو مستحکم کیا جائے۔ ان رہنماؤں کی آمد سے وہ افغانستان پر علاقائی ممالک کی سربراہی کانفرنس کرنے کا بھی ارادہ رکھتا ہے۔ ہندستان نے پہلی بار وسطی ایشیائی ممالک کے ساتھ تعلقات کو بہتر کرنے کا سلسلہ پچھلی دہائی میں شروع کیا تھا، اس کو تقویت اس وقت ملی جب وزیر اعظم نریندر مودی نے جولائی ۲۰۱۵ء میں ان پانچوں ممالک کا دورہ کیا تھا۔ ۱۹۹۰ء کی دہائی میں سویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد ان جمہوری ریاستوں کا قیام عمل میں آنے کے بعد مودی ان ریاستوں کا سفر کرنے والے پہلے ہندستانی وزیر اعظم تھے۔ خیال رہے کہ سابق وزیر اعظم جواہر لال نہرو نے ان ریاستوں کا دورہ اس وقت کیا تھا جب یہ سویت یونین کا حصہ تھیں۔ □□

مہنگی طلاق: دبئی کے امیر کو ۵۵۰ پاؤنڈ ادا کرنے کا حکم

لندن کی ایک فیملی کورٹ نے دبئی کے امیر کو یہ سزا سنائی ہے کہ وہ اپنی مفرور سابقہ اہلیہ اور ان کے دونوں بچوں کو تقریباً ۵۵۰ ملین پاؤنڈ ادا کریں گے۔ ہائی کورٹ کے جسٹس فلپ مور نے شیخ محمد بن راشد المکتوم کو طلاق کے مقدمے میں شہزادی حیا بنت الحسین کو ۲۵۱ء۵ ملین پاؤنڈ ادا کرنے کا حکم دیا جبکہ بچوں کی مدد اور ان کی سکیورٹی کے لیے مزید ۲۹۰ ملین پاؤنڈ ادا کرنے کا کہا گیا ہے۔ کسی بھی طلاق کی کارروائی میں کسی انگریزی عدالت کے حکم پر کی جانے والی یہ اب تک کی سب سے بڑی ادائیگی ہوگی۔ ۴۷ سالہ شہزادی حیا دبئی کے امیر کی چھٹی بیوی اور اردن کے بادشاہ عبداللہ دوئم کی سوتیلی بہن ہیں۔ ۲۰۱۹ء کے موسم گرما میں انہوں نے بین الاقوامی سطح پر اس وقت ہلچل مچادی تھی، جب وہ اپنے دو بچوں کے ساتھ برطانیہ فرار ہوئیں۔ جب شیخ محمد بن راشد المکتوم نے بچوں کو دبئی واپس بھیجنے کے لیے کہا تو شہزادی حیا نے بچوں کی تحویل کی درخواست دے دی تھی۔ اس کے ساتھ ہی انہوں نے کسی حملے سے اپنی حفاظت کی درخواست بھی دائر کردی تھی۔

دریچۂ پاکستان — عطاء الحق قاسمی

پاکستانی اور اوورسیز پاکستانی

میں بغیر کسی تمہید کے عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اوورسیز پاکستانیوں کو ہم پاکستان میں رہنے والوں کی شکایات کا بالکل اندازہ نہیں، چنانچہ انہیں یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ ہمیں بتائیں کہ پاکستانی عوام اپنی زندگیوں کے بہترین دور سے گزر رہے ہیں اور یہ کہ اوورسیز پاکستانیوں نے جس ملک سے وفاداری کا حلف اٹھایا ہوا ہے وہاں مہنگائی پاکستان سے زیادہ ہے۔ تاہم چونکہ ان کی پیدائش پاکستان میں ہوئی تھی مگر وہ پاکستان کی کشتی بھنور میں چھوڑ کر پھولوں اور پھلوں سے لدے ہوئے ساحلوں پر اتر گئے، اس کے باوجود ان کے دلوں میں ہم پاکستانیوں کے لیے ہمدردی کے گہرے جذبات موجود ہیں۔ چنانچہ میں چند تجاویز پیش کررہا ہوں، ان پر عمل کرنے کی صورت میں وہ ہم پاکستانیوں کو خوش باش رہنے کی تلقین کرنے کے اہل ثابت ہوسکتے ہیں۔ تجاویز درج ذیل ہیں:

(۱) اگر وہ اپنے ملک کی مہنگائی سے تنگ ہیں اور ہمارے بارے میں ان کی رائے ہے کہ ہم ایک خوش قسمت دور سے گزر رہے ہیں تو انہیں اولین فرصت میں اپنے سابقہ ملک کو خیرباد کہہ کر ہمارے درمیان آجانا چاہیے تاکہ وہ بھی اس درخت کے میوے کھاسکیں جو ہم ان کے بائیس کروڑ بھائی روزانہ کھا رہے ہیں۔

(۲) ایک صورت یہ بھی ہے کہ وہ ہمارے ساتھ ملکوں کا ادل بدل کرلیں، وہ ہماری جنت میں آجائیں، ہم ان کی دوزخ میں جانے کے لیے تیار ہیں۔

(۳) تیسری صورت یہ بھی ہے کہ اتنے وسیع پیمانے پر تبادلہ آبادی ممکن نہیں، چنانچہ وہ اپنے ہاں خوش اور ہم اپنے ہاں خوش رہ سکتے ہیں، وہ جو رقوم پاکستان میں مقیم خوش قسمت عزیزوں کی مدد کے لیے بھیجتے ہیں اور یا یہاں پراپرٹی کی خرید کے لیے ارسال کرتے ہیں اور یوں کہا جاتا ہے کہ اوورسیز پاکستانی ہمارے محسن ہیں کہ وہ سالانہ اربوں روپے پاکستان کو بھیجتے ہیں، جس سے پاکستان کا وجود قائم ہے تو وہ از راہ کرم اپنے عزیز و اقربا کے علاوہ اپنے دوسرے پاکستانیوں کا چولہا جلانے کے لیے بھی اپنی زکوٰۃ اور خیرات فنڈ سے کچھ نہ کچھ بھیج دیا کریں اور اگر اس کے بعد بھی وہ بھوک کا رونا روتے رہیں تو انہیں رونے دیں کہ ثابت ہوجائے گا یہ ناشکری قوم ہے جس کا رونا دھونا پاکستان کے لیے خوشگوار ترین دور میں بھی ختم نہیں ہورہا۔

یہاں میں وضاحت کردوں کہ میرے مخاطب صرف وہ اوورسیز پاکستانی ہیں جو یورپ اور امریکہ میں آباد ہیں، خلیجی ممالک کے پاکستانی نہیں، ایک تو یہ کہ وہ دوہری شہریت کے حامل نہیں ہیں اور دوسرے یہ وہ اکثر پاکستان آتے جاتے رہتے ہیں اور یوں پوری طرح واقف ہیں کہ یہاں کی سیاسی و معاشی اور معاشرتی صورت حال کیا ہے، وہ جب بھی آتے ہیں، انہیں پتہ چلتا ہے کہ اشیائے خورونوش، پٹرول، بجلی اور گیس وغیرہ کی قیمتیں کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہیں، انہیں یہاں تھانہ کچہری اور عدالتی معاملات کی دن بدن بگڑتی صورتحال کا پورا پورا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ وہ ہمیں کبھی مشورہ نہیں دیتے کہ آپ کے لیے کون سی حکومت بہتر ہے اور کونسی حکومت بہتر نہیں ہے، وہ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں، حالانکہ زرمبادلہ کی زیادہ یا قدرے کم رقوم انہی خلیجی ملکوں سے آتی ہیں اور یوں وہ ہمیں مشورہ دینے کے زیادہ سے زیادہ حق دار ہیں۔ خلیجی ملکوں کے اوورسیز پاکستانیوں اور یورپین ممالک کے پاکستانیوں میں ایک فرق یہ بھی ہے کہ اول الذکر ڈاؤن ٹو ارتھ ہیں جبکہ دوسرے پاکستانیوں میں ایک خاص تعداد صاحب بہادروں کی بھی ہے، چنانچہ زمین سے جڑے ہوئے لوگ زمینی لوگوں کے دکھوں، تکلیفوں اور نہایت دشوار زندگی سے بخوبی واقف ہیں۔

ایک ضروری بات، اس تحریر سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یورپ اور امریکہ میں بسنے والے اوورسیز پاکستانی پاکستان سے محبت ہی نہیں کرتے۔ لاحول ولا قوۃ! وہ پاکستان سے بے حد محبت کرتے ہیں اور پاکستانی عوام جب زلزلوں، طوفانوں یا دہشت گردوں کی زد میں آتے ہیں تو ان کے دل بھی مغموم ہوتے ہیں، وہ ایسے مواقع پر قائم کیے گئے فنڈز میں رقوم بھی ارسال کرتے ہیں، تاہم پاکستان میں مقیم پاکستانی ایسے مواقع پر اربوں نہیں کھربوں روپے پاکستان کے غریب عوام کے لیے وقف کردیتے ہیں، میں اگر یہاں ان فلاحی تنظیموں کا ذکر کروں جو اپنے غریب عوام کے لیے کیا کچھ کرتی ہیں تو باہر سے آئی ہوئی رقم سے شاید اس کا موازنہ مناسب ہی نہ لگے۔ مقامی پاکستانیوں نے ضرورت مندوں کو لاکھوں کے قریب بلاسودی قرضے، ان کے بچوں کے لیے مفت تعلیم، مفت یونیفارم اور مفت کتابوں اور ان کے متعدد دوسرے مسائل کے ازالے کے لیے کھربوں روپے سالانہ مختص کیے ہوئے ہیں۔ یہ لوگ ہر طرح کے آسمانی اور زمینی عذاب کے دوران اپنے گھر کا سامان بھی دان کردیتے ہیں۔

یہ سچے محب وطن پاکستانی ہیں۔ اپنے ملک میں رہتے ہیں، اپنے ملک کے عوام کے مسائل سے واقف ہیں، انتخابات میں اپنا حق رائے دہی استعمال کرتے ہیں، اسی طرح ہمارے اوورسیز پاکستانیوں کی پاکستان سے محبت بھی ہر طرح کے شکوک وشبہات سے بالاتر ہے۔ تاہم ان کی پہلی وفاداری ان ملکوں کی شہریت کے لیے اٹھائے ہوئے حلف وفاداری کی پابند ہوتی ہے۔

مجھے یہ کالم لکھتے ہوئے اس امر کا پوری طرح احساس ہے کہ بیرون ملک مقیم میرے سینکڑوں دوست مجھ سے خفا ہوجائیں گے، مگر میں کیا کروں ان کی طرح میں نے بھی اپنے ملک سے وفاداری کا حلف اٹھایا ہوا ہے۔

ہفت روزہ
الجمعیۃ
نئی دہلی
شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

الجمعیۃ قومی وملّی خدمات کے چھیانوے سال

قومی وملّی تاریخ میں صحافت کی ہمیشہ اہمیت رہی ہے، اس لیے کہ صحافت ہی وہ فن ہے جس پر ملک اور قوم وملت کی تعمیر وتشکیل کا انحصار ہوتا ہے۔ صحافت کو آزادی، جمہوریت اور آئین کا محافظ بھی کہا جاتا ہے، ساتھ ہی اسے تحریکوں کے لیے انقلاب کا نقیب بھی سمجھا جاتا ہے اور حالانکہ آج الیکٹرانک میڈیا کی بڑی دھوم ہے تاہم پرنٹ میڈیا کا اپنا جلوہ بھی قائم ہے جس کے تحت ہر زبان میں روزنامے، ہفت روزہ، سہ روزہ اور ماہنامہ علمی، ادبی اور پیشہ وارانہ اخبارات اور رسائل وجرائد شائع ہورہے ہیں۔ ہندستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں اُردو صحافت بھی اپنے وسیع پس منظر میں گوناگوں خدمات کی حامل ہے۔

اُردو صحافت کی تاریخ کوئی بہت قدیم نہیں ہے تاہم ہندستان میں خالص ہندستانی زبان میں معیاری صحافت کا آغاز اُردو زبان کے اخبارات ورسائل سے ہی ہوتا ہے، جن میں اوّلیت کا شرف کلکتہ سے نکلنے والے ہفت روزہ 'جام جہاں نما' (۱۸۲۲ء) کو حاصل ہے، پھر ۱۸۳۷ء میں 'دہلی اُردو اخبار' منظر عام پر آیا، ۱۸۴۷ء میں 'لکھنؤ اُردو اخبار' شروع ہوا پھر 'کوہِ نور' (۱۸۵۰ء)، 'تہذیب الاخلاق' (۱۸۷۰ء) وغیرہ اخبارات ورسائل منظر عام پر آئے۔ مولانا ظفر علی خاں کا 'زمیندار'، مولانا آزاد کا 'البلاغ'، 'الہلال'، مولانا حسرت موہانی کا 'اُردوئے معلیٰ' بھی اسی اُردو صحافت کا حصہ ہیں جنھوں نے اُرو کے نثری خزانہ میں بے مثال اضافہ کیا ہے۔ چونکہ ۱۸۵۷ء میں مغل سلطنت کے سقوط اور ملک پر انگریزی سامراج کے قبضہ کے بعد ملک کو غلامانہ زندگی گزارنے پر مجبور کردیا گیا تھا اس لیے وہ اخبارات ورسائل جو محض اُردو کی ترویج واشاعت کے لیے وقف تھے ان میں سیاسی مذاق بھی در آیا اور جیسے ہی تحریک آزادی کا بگل بجا وہ اس کے نقیب وترجمان بن کر سامنے آگئے۔ پہلے 'زمیندار' اور 'البلاغ'، 'الہلال' نے یہ فریضہ انجام دیا اور پھر ۱۹۲۵ء میں جب سہ روزہ کی شکل میں 'الجمعیۃ' منظر عام پر آیا تو اس نے انگریزی سامراج کی بے باک مخالفت کو اپنا شیوۂ زندگی بنایا۔ دوسرے قومی وملّی اخبارات وجرائد کی طرح 'الجمعیۃ' کو بھی متعدد مرتبہ اخبار وپریس کی ضبطی، اخبار کے لائسنس کی منسوخی اور کارپردازانِ 'الجمعیۃ' کی گرفتاریوں کے جاں گداز حادثات کا شکار ہونا پڑا، مگر اسے جب بھی عوام تک پہنچنے کا موقع ملا، اس نے اپنا فرض منصبی ادا کرنے میں کسی تساہل سے کام نہیں لیا۔

سہ روزہ 'الجمعیۃ' کا اوّلین شمارہ ۲؍فروری ۱۹۲۵ء کو مولانا ابوالمعارف محمد عرفان صدیقی کی ادارت میں شائع ہوا۔ چند ماہ بعد اس کی ادارت کی ذمہ داری مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی نے سنبھال لی جس کا سلسلہ ۱۹۲۸ء تک جاری رہا۔ مولانا مودودی ۱۹۲۸ء میں حیدرآباد منتقل ہوگئے تو ان کی جگہ پہلے مولانا حامدالانصاری غازی کو اور پھر ۱۹۲۹ء میں ہلال احمد زبیری کو ایڈیٹر بنایا گیا۔ اس دوران ان کے معاون کی حیثیت سے نوجوان صحافی مولانا محمد عثمان فارقلیط نے 'الجمعیۃ' کو نئی تازگی بخشی۔ آخرکار ۱۹۳۶ء میں ادارت کا قرعہ فال مولانا محمد عثمان فارقلیط مرحوم کے نام نکلا جنھوں نے اپنی ولولہ انگیز تحریروں کے ذریعہ اسے مقبولیت کی بلندیوں تک پہنچادیا۔ یہ ہی دور تھا جب 'الجمعیۃ' پر انگریزی سامراج کی نظر عتاب پڑی جس کے نتیجہ میں وہ اکثر وبیشتر قید وبند کا شکار ہوتا رہا۔ اور حالانکہ ۱۹۳۶ء سے ۱۹۴۷ء تک کا 'الجمعیۃ' کا ریکارڈ دستیاب نہیں ہے تاہم اس دوران جو پرچہ بھی نکلا وہ فارقلیط صاحب کی ادارت میں ہی نکلا۔ مولانا فارقلیط اخبار کی بندش کے دور میں لاہور کے اخبار 'زمزم' سے وابستہ ہوگئے۔ ۱۹۴۷ء میں ملک آزادی کی نعمت سے ہمکنار ہوا تو جمعیۃ علماء ہند نے 'الجمعیۃ' کو دوبارہ جاری کرنے کا فیصلہ کیا اور اس کی ادارت کے لیے مولانا محمد عثمان فارقلیط صاحب کو مدعو کیا۔ اب 'الجمعیۃ' ایک مکمل روزنامہ کی شکل میں سامنے آیا اور حالانکہ ۱۹۴۷ء سے قبل بھی وہ وقفہ وقفہ سے روزنامہ کی شکل میں شائع ہوتا رہا تھا مگر اس وقت اس کا مقصد اسلام اور شعائرِ اسلام کے تحفظ کے ساتھ ساتھ ملک کی آزادی بھی تھا جبکہ ۱۹۴۷ء میں اپنے دوبارہ اجراء کے وقت اس کے اہداف وہ تمام مقاصد تھے جو جمعیۃ علماء ہند کے مقاصد جلیلہ کی شکل میں پہلے سے ہی موجود تھے جن میں فرقہ وارانہ اتحاد ویکجہتی، فرقہ وارانہ ہم آہنگی، تعلیمی اداروں ومکاتب کا قیام، اسلامی شریعت وشعائر اسلام کا تحفظ، مساجد، مقابر ومکاتب کا تحفظ، اردو کی ترویج واشاعت، اوقاف کی حفاظت، مسلمانانِ ہند کی ملّی ثقافت کی حفاظت، مسلمانوں کے آئینی حقوق کا تحفظ اور فرقہ وارانہ فسادات میں مسلمانوں کے جان ومال کی حفاظت کی جدوجہد جیسے جلی عنوانات شامل ہیں۔

جمعیۃ علماء ہند کے ترجمان 'الجمعیۃ' نے خواہ اس کی شکل روزنامے کی رہی ہو یا وہ جمعہ ایڈیشن اور ہفت روزہ 'الجمعیۃ' کی شکل میں منصۂ شہود پر رہا ہو، اس نے اپنے ان اہداف کے حصول کی بھرپور جدوجہد کی ہے خاص طور پر مولانا فارقلیط مرحوم کے ادارتی کالم نے جو مقبولیت اور اعتماد حاصل کیا وہ بلاشبہ زرّیں حروف میں لکھنے کے لائق ہے۔

۱۹۸۴ء میں روزنامہ 'الجمعیۃ' بعض ناگفتہ بہ سرکاری وغیر سرکاری حالات کی وجہ سے بند ہوگیا۔ یہ وہ دور تھا جب تمام اخبارات سرکاری قانون کی زد میں تھے اور اکثر روزنامے اور رسائل وجرائد سرکاری بندشوں کی تاب نہ لاکر بند ہوتے جارہے تھے۔ 'الجمعیۃ' کا بند ہونا بھی اسی قبیل سے تھا تاہم روزنامہ 'الجمعیۃ' اور اس کے جمعہ ایڈیشن کو یہ فخر وامتیاز حاصل تھا کہ ان کی ادارت سے مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ جیسے صاحب طرز نثر نگار، مولانا فارقلیط جیسے تلخ وشیریں کالم نگار اور مولانا وحیدالدین خاںؒ جیسے تجزیہ نگار وابستہ رہے جو اپنے وقتوں میں صحافت کے میدان میں سند کا درجہ رکھتے تھے۔ مولانا فارقلیط صاحب ۱۹۷۳ء میں ادارت سے سبکدوش ہوگئے تو ان کی جگہ جناب رفیق عزیز بیگ نے لی۔ آپ دسمبر ۱۹۷۷ء تک ایڈیٹر رہے۔ جنوری ۱۹۷۸ء میں معروف صحافی اور زودنویس قلمکار جناب ناز انصاری کا بحیثیت ایڈیٹر انتخاب عمل میں ایا۔ آپ ۱۹۸۴ء میں اخبار کے بند ہونے تک مسند ادارت پر فائز رہے۔

سمبر ۱۹۶۷ء سے روزنامہ 'الجمعیۃ' کا جمعہ ایڈیشن شروع ہوا جس کی نگرانی مرحوم مولانا فارقلیط ہی انجام دیتے رہے تاہم جمعہ ایڈیشن کی مکمل باگ ڈور مولانا وحیدالدین خاںؒ نے سنبھالی اور وہ اس کی ادارت کا فریضہ ۱۹۸۲ء تک انجام دیتے رہے۔ اس کے بعد جون ۱۹۸۲ء سے جنوری ۱۹۸۵ء تک جمعہ ایڈیشن 'ویکلی الجمعیۃ' کی شکل میں بہار برنی کی ادارت میں نکلتا رہا اور آخرکار جنوری ۱۹۸۵ء میں یہ جمعہ ایڈیشن بھی جو مرحوم روزنامہ 'الجمعیۃ' کی باقیات کا ایک حصہ تھا، بند ہوگیا۔

روزنامہ 'الجمعیۃ' ماہرین صحافت کے نقطۂ نظر کے مطابق ایک مکمل اخبار تھا اس لیے کہ وہ جہاں جمعیۃ علماء ہند جیسی عظیم ومؤقر ملّی تنظیم کا ترجمان تھا وہیں اس کے قارئین کی بڑی تعداد میں ملک کے عوام کے ساتھ ساتھ وہ منتخب طبقہ بھی اس کے قارئین میں شامل تھا جو ملک میں قومی وملّی مسائل پر گہری نظر رکھتا تھا۔ مولانا فارقلیط مرحوم کے ادارتی کالم کی ہر طرف دھوم تھی اور ہر صبح اخبار کے عمومی وخصوصی قارئین اخبار کے منتظر نظر آتے تھے۔ اس کے ایڈیٹران بھی صحافت کے میدان کے منتخب یگانۂ روزگار رہے ہیں۔ 'الجمعیۃ' اپنے روز اوّل سے ہی ملک وبیرون ملک کے اُردو قارئین کی پسند رہا ہے۔ آج بھی جب کوئی صاحب فکر ونظر ملت اسلامیہ ہند اور اس کے تناظر میں قومی وملّی مسائل کو سمجھنا چاہتا ہے تو اسے 'الجمعیۃ' کی پرانی فائلوں کی ہی ورق گردانی کرنی پڑتی ہے۔ 'الجمعیۃ' کے اثرات، افادات اور اہمیت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آج متعدد ریسرچ اسکالر 'الجمعیۃ' اور اس کے حوالہ سے جمعیۃ علماء ہند کی قومی وملّی خدمات اور اس کی تاریخ کو اپنی تحقیق کا موضوع بنارہے ہیں۔ 'الجمعیۃ' پر تازہ ریسرچ جو جلد ہی منظر عام پر آنے والی ہے، شعبہ اُردو چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی میرٹھ کے ہونہار ریسرچ اسکالر جناب ساجد علی صاحب نے چودھری چرن سنگھ یونیورسٹی میرٹھ کے شعبۂ اُردو کے صدر جناب پروفیسر محمد اسلم جمشید پوری کی زیر نگرانی 'الجمعیۃ' اور ہفت روزہ الجمعیۃ کی صحافتی خدمات پر 'اردو صحافت کے فروغ میں الجمعیۃ کا کردار' کے عنوان پر ریسرچ کا فریضہ انجام دیا ہے جو انشاء اللہ جلد ہی ایک عظیم شاہکار کی شکل میں منظر عام پر آنے والا ہے۔

جب پہلے ۱۹۸۴ء میں روزنامہ 'الجمعیۃ' اور پھر ۱۹۸۵ء میں جمعہ ایڈیشن بھی بند ہوگیا تو جمعیۃ علماء ہند کی قیادت بالخصوص صدرِ محترم امیر الہند فدائے ملت حضرت مولانا سید اسعد مدنی قدس سرہٗ کے سامنے جماعت اور اس کے دینی، قومی وملّی موقف کی ترجمانی کا مسئلہ درپیش آیا۔ مسلسل غوروخوض اور ورکنگ کمیٹی کے اتفاقِ رائے سے طے کیا گیا کہ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک پندرہ روزہ 'خبرنامہ' شائع کیا جائے۔ جون ۱۹۸۶ء سے یہ سلسلہ شروع کیا گیا مگر 'خبرنامہ' کا مقصد صرف جماعتی خبروں کی اشاعت تک محدود تھا جس کے لیے ایک بار پھر حضرت فدائے ملتؒ نے کم سے کم ایک ہفت روزہ اخبار کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے ورکنگ کمیٹی سے استصواب کیا اور بالآخر ایک ہفت روزہ اخبار کے اجراء کی تجویز سامنے آئی جس کے نتیجہ میں ہفت روزہ 'مساوات' کا اکتوبر ۱۹۸۷ء میں اجراء عمل میں آیا جس کی ادارت کی ذمہ داری مولانا اسرار الحق کو تفویض کی گئی، جس کی اشاعت کا سلسلہ جون ۱۹۸۸ء تک جاری رہا، مگر چونکہ ملت کا بار بار یہ مطالبہ سامنے آرہا تھا کہ 'الجمعیۃ' کی نشأۃِ ثانیہ کی جائے، چنانچہ ایک بار پھر ورکنگ کمیٹی میں یہ معاملہ پیش ہوا اور انتہائی غوروفکر کے بعد عوام کی خواہش کا احترام کرتے ہوئے فیصلہ کیا گیا کہ ہفت روزہ کی شکل میں 'الجمعیۃ' کی نشأۃِ ثانیہ کردی جائے۔ راقم الحروف جو پہلے 'خبرنامہ' اور پھر 'مساوات' میں حضرت فدائے ملتؒ کے حکم پر ذمہ دارانہ خدمت پر مامور تھا، ہفت روزہ 'الجمعیۃ' کی انتظامی ذمہ داری کے ساتھ ادارتی ذمہ داری بھی بحیثیت مدیر تحریر احقر کے سپرد کردی گئی جبکہ اگست ۱۹۸۱ء سے اکتوبر ۱۹۹۱ء تک ادارت کے فرائض مولانا اسرار الحق قاسمیؒ نے انجام دیئے۔ ان کے مستعفی ہوجانے کے بعد اکتوبر ۱۹۹۱ء میں محمد حنیف دائما کمار ایڈیٹر بنائے گئے جس کا سلسلہ جنوری ۲۰۱۸ء تک جاری رہا جبکہ اس دوران بھی مدیر تحریر کی ذمہ داری راقم الحروف ہی انجام دیتا رہا۔ دائما کمار کے انتقال کے بعد قائد جمعیۃ، اس وقت کے ناظم عمومی اور موجودہ صدر محترم حضرت مولانا سیّد محمود اسعد مدنی مدظلہ کے حکم کو پر فروری ۲۰۱۸ء سے ادارتی ذمہ داری بحیثیت ایڈیٹر راقم الحروف انجام دے رہا ہے۔ الحمدللہ ہفت روزہ 'الجمعیۃ' بھی مسلسل گزشتہ چونتیس سالوں سے کووڈ-۱۹ کے دور کے پہلے چند ماہ کے استثنٰی کے ساتھ انتہائی پابندی کے ساتھ اشاعت پذیر ہے۔ اس طرح یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ 'الجمعیۃ' ہندستان کی اُردو صحافت کی تاریخ کا ایک ایسا درخشندہ ستارہ ہے جو اکابر جمعیۃ علماء ہند کی قیادت میں چند متفرق اوقات کو چھوڑ کر گزشتہ چھیانوے سال سے ہندستان کی ملت اسلامیہ کو علمی وعملی روشنی بخش رہا ہے۔

'الجمعیۃ' کے اس چھیانوے سالہ سفر میں اس کے کل بارہ مدیرانِ گرامی ہوئے جن سے 'الجمعیۃ' کے صحافتی معیار کا تعین کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ اس لیے کہ کسی بھی اخبار کے معیار کی پہچان کے لیے جہاں اس کے نکالنے والوں اور اس کے قارئین کی اہمیت ہوتی ہے وہیں اس کے معیار کی بلندی وپستی کے لیے اس کے مدیران کی صحافتی حیثیت بھی کلیدی مقام رکھتی ہے۔ مدیرانِ گرامی میں مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا حامدالاحمد انصاری غازی، ہلال زبیری، مولانا محمد عثمان فارقلیط اور مولانا وحیدالدین خاںؒ اپنے دور کے ان صحافیوں میں نمایاں مقام کے حامل ہیں جو سکہ رائج الوقت سمجھے جاتے تھے۔ اس وقت ناقص العلم والقلم راقم الحروف گزشتہ چونتیس برسوں سے اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلتے ہوئے یہ فریضہ انجام دے رہا ہے۔ راقم الحروف اپنی اس خدمت پر نازاں نہیں ہے اور نہ ہی اپنے صاحب قلم اور صحافی ہونے کا دعویدار ہے مگر یہ ناچیز 'الجمعیۃ' کی اس خدمت کو اپنی زندگی کا ایک اہم باب ضرور تصور کرتا ہے اور بطور تحدیث نعمت اتنا ضرور کہہ سکتا ہے کہ 'الجمعیۃ' کی ادارت کے لیے راقم الحروف اپنے پاک پروردگار کی عطا کردہ تمامتر صلاحیتوں کا استعمال اپنے لیے سعادت سمجھتا ہے۔

یہ بات باعث تشکر وامتنان ہے کہ اخبار 'الجمعیۃ' خواہ اس کی شکل سہ روزہ کی رہی ہو، ہفت روزہ رہا ہو یا روزنامہ، اپنی زندگی کے چھیانوے سال پور کرکے ستانوے سال میں قدم رکھ رہا ہے۔ ان چھیانوے برسوں میں جہاں آزادی سے پہلے وہ نہ جانے کتنی مرتبہ انگریزی سامراج کے عتاب کا شکار بنا اور اس کا لائسنس وپریس ضبط ہوئے وہیں آزادی کے بعد اسے اپنی حکومتوں کی چیرہ دستیاں بھی جھیلنا پڑیں۔ مرحوم فارقلیط کے ادارتی کالم پر حکومت کی خاص نظر رہتی تھی جس کے نتیجہ میں 'الجمعیۃ' اور اس کے ایڈیٹر کو متعدد مرتبہ قید وبند کی آزمائشوں سے گزرنا پڑا۔ بہرحال آزمائشوں اور کامرانیوں سے بھرا 'الجمعیۃ' کے چھیانوے سالہ سفر کا یہ ایک مختصر جائزہ ہے جو آپ کے سامنے ہے۔ ہم دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس ان خدمات کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔ آمین ☐☐

پارلیمنٹ کا سرمائی اجلاس چھوڑ گیا ہے اپنے پیچھے کئی اہم سوال

کیا ہمارا سیاسی نظام ان کا حل تلاش کرے گا؟

صفحہ اوّل کا بقیہ

وزیراعظم جب ممبر پارلیمنٹ بن کر پہلی بار لوک سبھا پہنچے تھے تو انھوں نے پارلیمنٹ کی سیڑھیوں پر اپنے سر کو جھکا کر جمہوریت کے اس عظیم مندر کو سلام پیش کیا تھا۔ جمہوریت کا یہ مندر اور دھرم گرنتھ دونوں ہمارے ملک کی عظمت کے نشان ہیں۔ ان کا احترام ان اصولوں اور معیاروں کا احترام ہے جو جمہوریت کی اہمیت کی نشاندہی کرتے ہیں۔ اس دن جب پارلیمنٹ میں یوم دستور بنایا گیا تو ممبران کو وزیراعظم کے علاوہ صدرِ جمہوریہ نے بھی خطاب کیا تھا۔ ایک چیز جو ناپسندیدہ تھی، وہ اپوزیشن کے ذریعہ پروگرام کا بائیکاٹ تھا۔ اس فیصلہ کے اسباب ہوسکتے ہیں لیکن جمہوری اصولوں اور پارلیمنٹ کے افتخار کا تقاضہ تھا کہ ایوان کے سبھی فریق وہاں موجود ہوتے۔ یہ تقریب حکومت کی نہیں تھی بلکہ پوری پارلیمنٹ کی تھی۔

دستور میں اپنا اعتماد اور وفاداری ظاہر کرنے کے اس موقع کو کسی بھی جماعت کے ذریعہ سیاسی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنانا مناسب نہیں کہا جاسکتا۔ حکومت اور اپوزیشن دونوں کا فرض بنتا تھا کہ وہ اس موقع کی شان و شوکت اور پاکیزگی کی حفاظت کے تئیں بیدار دِکھائی دیتے لیکن ایسا نہیں ہوسکا۔ حکمراں اور اپوزیشن کی اس تقریب میں برابر کی حصہ داری ہونی چاہیے تھی۔ سبھی پارٹیوں کو جمہوریت کے لیے اپنے اعتماد کو زبان دینے کا موقع ملنا چاہیے تھا۔ یہ تعاون ہی جمہوری نظام کو اہم بناتا ہے اور عزت بخشتا ہے جسے یقینی بنانا حزب اقتدار کی ذمہ داری ہے۔ لیکن بدقسمتی سے پارلیمنٹ کے گزشتہ کئی اجلاس میں سب کی حصہ داری کا فقدان ہی نظر آتا رہا ہے۔ دونوں حریف گروپ اس کے لیے ایک دوسرے کو موردِ الزام ٹھہرا سکتے ہیں، لیکن اس بات کو فراموش نہیں کیا جانا چاہیے کہ پارلیمنٹ کی کارروائی بہتر طریقے سے چلے، اس کی ذمہ داری حکمراں جماعت پر ہی عائد ہوتی ہے۔ جمہوریت میں یہ موقع ایوان کی کارروائی میں شمولیت سے ہی ظاہر ہوسکتا ہے۔ اجتماعی حصہ داری کا مطلب یہ ہے کہ بحث و مباحثہ اور غوروفکر میں سب کی شرکت ہو۔ مسائل پر بحث ہی وہ ذریعہ ہے جس سے ایوان میں ممبران کی اجتماعی حصہ داری یقینی بن سکتی ہے لیکن جس طرح سے پارلیمنٹ میں متنازعہ زرعی قوانین کی واپسی کا بل پاس ہوا، اسے اجتماعی حصہ داری کو نظرانداز کرنے کی کوشش کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ لوک سبھا میں صرف تین منٹ اور راجیہ سبھا میں نو منٹ میں ان تینوں قوانین کو واپس لے لیا گیا، قوانین کی واپسی کا فیصلہ لینے میں حکومت کو پورا ایک سال لگ گیا جبکہ انھیں رد کرنے میں چند منٹ ہی لگے۔ کوئی بحث نہیں ہوئی، کوئی صلاح مشورہ نہیں کیا گیا۔ پارلیمنٹ کو اس بارے میں حکومت سے سوال و جواب کا موقع تو ملنا ہے چاہیے تھا۔

اس قانون کو واپس لینے سے کچھ گھنٹہ پہلے ہی وزیراعظم نے یہ کہا تھا کہ سرکار کھلے دماغ سے ہر مسئلہ پر سبھی سوالوں کے جواب دینے کے لیے تیار ہے۔ وزیراعظم پارلیمنٹ میں مثبت بحث کی امید کئی بار ظاہر کرچکے ہیں۔ کئی بار کہہ چکے ہیں کہ پروقار اور سنجیدہ بحث ہونی چاہیے۔ پارلیمنٹ کا وقار اور اہمیت کا تقاضہ ہے کہ ممبران کو سنجیدہ بحث کا موقع ملے، موضوعات پر غوروخوض ہو۔ بہرحال پارلیمنٹ کے سرمائی اجلاس کی کارگزاری تو اچھی نہیں کہی جاسکتی، سیشن کا پہلا ہی قانون بغیر کسی بحث کے پاس ہو یہ کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ امید کی جانی چاہیے کہ چیئرمین، حکومت اور اپوزیشن سب مل کر اس سلسلہ میں اپنے اپنے گریبان میں جھانکیں گے۔

اپوزیشن صرف نکتہ چینیاں کرنے اور تنقیدوں کے لیے نہیں ہوتی، اس کا کام راستہ دِکھانا بھی ہوتا ہے، یہ بات حکمراں طبقہ کو بھی سمجھنی ہوگی کہ ووٹروں نے صرف حکومت کو ہی منتخب نہیں کیا۔ اپوزیشن کا بھی انتخاب کیا ہے اس لیے ضروری ہے کہ دونوں ایک دوسرے کا احترام کریں، لیکن اس سے بھی اہم بات اس رائے دہندہ کے احترام کی ہے جس نے دونوں کا انتخاب کیا ہے۔ زرعی قوانین کو واپس لینے کے وزیراعظم کے فیصلہ کو ان کے حامیوں کی طرف سے قومی مفاد میں لیا گیا اعلیٰ ترین فیصلہ بتایا جارہا ہے لیکن یہ بات پارلیمنٹ میں ہوتی تو زیادہ بہتر ہوتی۔ تب ہی یہ بھی سوال کیا جاسکتا تھا کہ زرعی قوانین کے سلسلہ میں وہ کیا تھا جو قومی مفاد میں نہیں تھا؟ اس طرح کے مواقع بحث کے ذریعہ ہی حاصل ہوسکتے ہیں۔ حکمراں طبقہ اور اپوزیشن دونوں کو ایسے مواقع بڑھانے کے بارے میں غور کرنا ہوگا۔

ہماری پارلیمنٹ کو دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت کا مندر کہا جاتا ہے، لوک سبھا اور راجیہ سبھا دونوں ہی ہندستانی جمہوریت کی شان ہیں۔ پارلیمنٹ میں طویل بحث کے بعد بہت سے بل راجیہ سبھا میں پہنچتے ہیں۔ وہاں مزید بحث ہوتی ہے جو آج ایک روایت بن چکی ہے۔ دلائل اور سوالات کا ہونا جمہوریت میں اتفاقِ رائے کے معاملہ میں بہت ضروری بھی ہے۔ ایک دور تھا جب لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں بحث کی سطح بہت بلند اور پروقار ہوتی تھی۔ جن لوگوں نے پنڈت نہرو، مولانا آزاد، رفیع احمد قدوائی، مسز اندرا گاندھی، باجپئی، آچاریہ جے وی کرپلانی، ان کی اہلیہ سچیتا کرپانی، شیاما پرساد مکھرجی، کمیونسٹ لیڈر نمبودری پد، ڈاکٹر پرنب مکھرجی اور ان جیسے بہت سے دوسرے لیڈروں کی بحثیں سنی ہیں تو انھیں اس بات کا احساس ہورہا ہے کہ آج پارلیمنٹ میں بحث کی سطح کتنی نیچے پہنچ گئی ہے۔ بہت سے ارکانِ پارلیمنٹ ایوان کے دونوں ہاؤسوں میں جانا ہی پسند نہیں کرتے۔

اجتماعی حصہ داری کا مطلب یہ ہے کہ بحث و مباحثہ اور غوروفکر میں سب کی شرکت ہو۔ مسائل پر بحث ہی وہ ذریعہ ہے جس سے ایوان میں ممبران کی اجتماعی حصہ داری یقینی بن سکتی ہے لیکن جس طرح سے پارلیمنٹ میں متنازعہ زرعی قوانین کی واپسی کا بل پاس ہوا، اسے اجتماعی حصہ داری کو نظرانداز کرنے کی کوشش کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے۔ لوک سبھا میں صرف تین منٹ اور راجیہ سبھا میں نو منٹ میں ان تینوں قوانین کو واپس لے لیا گیا، قوانین کی واپسی کا فیصلہ لینے میں حکومت کو پورا ایک سال لگ گیا جبکہ انہیں رد کرنے میں چند منٹ ہی لگے۔ کوئی بحث نہیں ہوئی، کوئی صلاح مشورہ نہیں کیا گیا۔

ایک دور تھا جب لوک سبھا اور راجیہ سبھا میں بحث کی سطح بہت بلند اور پروقار ہوتی تھی۔ جن لوگوں نے پنڈت نہرو ، مولانا آزاد، رفیع احمد قدوائی، مسز اندرا گاندھی، باجپئی، آچاریہ جے وی کرپلانی، ان کی اہلیہ سچیتا کرپانی، شیاما پرساد مکھرجی، کمیونسٹ لیڈر نمبودری پد، ڈاکٹر پرنب مکھرجی اور ان جیسے بہت سے دوسرے لیڈروں کی بحثیں سنی ہیں تو انہیں اس بات کا احساس ہورہا ہے کہ آج پارلیمنٹ میں بحث کی سطح کتنی نیچے پہنچ گئی ہے۔ بہت سے ارکانِ پارلیمنٹ ایوان کے دونوں ہاؤسوں میں جانا ہی پسند نہیں کرتے۔ حاضری لگائی اور ایک یا دو گھنٹہ اپنا چہرہ دِکھایا اور واپس لوٹ آئے۔

پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی کارروائی پر ایک ایک منٹ پر لاکھوں روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ ایک تو ممبران ایوان سے غیر حاضر رہتے ہیں اور جو موجود ہوتے ہیں وہ ہنگامہ کرتے ہیں۔ اس طرح ممبران نے پارلیمنٹ کے وقار کو تار تار کرکے رکھ دیا ہے۔ ایسی صورت میں کیا امید کی جاسکتی ہے کہ پارلیمنٹ کی عظمت کو بنائے رکھنے کے لیے طے شدہ ضابطوں پر عمل ہوسکے گا۔

حاضری لگائی اور ایک یا دو گھنٹہ اپنا چہرہ دِکھایا اور واپس لوٹ آئے۔ پارلیمنٹ کے سرمائی اجلاس کے دوران وزیراعظم نریندر مودی نے بی جے پی پارلیمانی پارٹی کی میٹنگ میں پارلیمنٹ میں ممبران کی غیر حاضری پر بیحد تشویش کا اظہار کیا تھا۔ وزیراعظم نے ممبرانِ پارلیمنٹ کی سرزنش کرتے ہوئے کہا تھا کہ اگر بچوں کو کوئی بات بار بار کہی جائے تو وہ بھی ایسا نہیں کرتے۔ لہٰذا آپ لوگ تبدیلی لائیے، ورنہ تبدیلی خود بخود آجائے گی۔ وزیراعظم کی سرزنش ایک طرح صاف انتباہ ہے کہ ارکان پارلیمنٹ کے وقار کو سمجھیں اور عوامی نمائندہ کی طرح کام کریں ورنہ عوام انھیں خود ہی بدل دیں گے۔

انگریزی میں ایک کہاوت ہے جس کا مطلب کچھ اس طرح ہے کہ ”ہمارے ہاتھ میں چھڑی ضروری ہے چاہے اس کا استعمال ہم نہ کریں لیکن خراب سے خراب طالب علم کو بھی ہمیں مہذب شاگرد بنانا ہے۔“ یہ بات صحیح ہے کہ کوئی بھی سسٹم برا نہیں ہوتا، اسے اچھا یا برا ہم خود بناتے ہیں۔

پارلیمانی معاملوں کے ماہرین کہتے ہیں کہ کبھی پارلیمنٹ میں دانشوروں کی بھرمار ہوتی تھی۔ ۷۰ فیصد سے زیادہ لوگ ایسے تھے جو نہ صرف قانون کے ماہر تھے بلکہ قانون کے عظیم ماہرین میں ہم ان کا شمار کرسکتے تھے، اس کے علاوہ دیگر شعبوں کے واقف کار لوگ ہوتے تھے۔ پارلیمنٹ میں جو بحث ہوتی تھی، آج کے ممبران اس کا مطالعہ کریں تو شاید کچھ معاملوں کو چھوڑ کر لوگ اس کا مطلب بھی نہ سمجھ سکیں۔ ہندستان کی جمہوریت میں نظریاتی سطح پر لڑائی لڑی جاتی رہی ہے، اس میں ذاتی دشمنی کی کوئی جگہ نہیں ہوتی تھی۔ اب محض لڑائی الزامات اور جوابی الزامات کی رہ گئی ہے۔

پارلیمنٹ میں ممبران کو اپنی معقول صلاحیت کا احساس کرانا چاہیے لیکن ہماری علمی صلاحیت میں مسلسل پستی آتی جارہی ہے۔ اپوزیشن کا کام پالیسیوں پر حملہ کرنا رہ گیا ہے اور بدقسمتی سے ہنگامے کو وہ اپنا حق سمجھ بیٹھا ہے۔ ہمارا ماننا ہے کہ بحث و مباحثہ صحیح ڈھنگ سے کسی بات کی مخالفت پر مبنی ہونا چاہیے جبکہ آج کل ہنگامہ محض ہنگامے کے لیے ہی کیا جاتا ہے، جس ایوان میں بیٹھ کر قومی تعمیر و ترقی کی باتیں کی جاتی ہوں، اس ایوان میں بیٹھ کر ہنگامہ کرنا اور توڑ پھوڑ کرنا ممبران کی شان کے قطعی خلاف ہے، ہم نے جب پارلیمانی نظام اپنایا تو یہ طے ہوا تھا کہ ہندستان میں عام لوگوں کی خواہش کے مطابق ایسا نظام ہوگا جو عوامی فلاح و بہبود کا ذریعہ ہوگا۔ پارلیمنٹ کے دونوں ایوانوں کی کارروائی پر ایک ایک منٹ پر لاکھوں روپیہ خرچ ہوتا ہے۔ ایک تو ممبران ایوان سے غیر حاضر رہتے ہیں اور جو موجود ہوتے ہیں وہ ہنگامہ کرتے ہیں۔ اس طرح ممبران نے پارلیمنٹ کے وقار کو تار تار کرکے رکھ دیا ہے۔ ایسی صورت میں کیا امید کی جاسکتی ہے کہ پارلیمنٹ کی عظمت کو بنائے رکھنے کے لیے طے شدہ ضابطوں پر عمل ہوسکے گا۔

ضابطوں پر عمل ہوگا تو پارلیمنٹ کا وقار باقی رہے گا۔ اگر ممبرانِ پارلیمنٹ بدتمیزی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو انھیں اپنے اندر جھانکنا ہوگا۔ وزیراعظم نریندر مودی نے اپنی پارٹی کے ممبران کی تو سرزنش کی ہے لیکن اس کا پیغام دوسری پارٹیوں کے ممبران کے لیے بھی ہے۔ تمام سیاسی پارٹیوں کو اپنے ممبران کو پارلیمنٹ کے وقار کے عین مطابق ڈھالنے اور پارلیمنٹ میں حاضری دے کر پارلیمنٹ کی بحث میں حصہ لینے اور مسائل کو باریکی سے سمجھنے کے لیے ترغیب دینی ہوگی۔ ہم سب کو غوروفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ آخر ہم پارلیمنٹ کے وقار، احترام اور عظمت کو کیسے بچاسکتے ہیں۔ □□

میزان

مولانا عبدالحمید نعمانی

آزاد بھارت میں ملّی سیاست - راستہ اور منزل

کسی بھی ملک میں تمام تر مساوی حقوق کے ساتھ ایک شہری کے طور سے باعزت زندگی گزارنا اہم ترین بات ہے۔ آزادی سے پہلے دیگر مذاہب والوں کی طرح مسلم اکابر وقائدین نے بھی ملک و ملت کے تمام ضروری مسائل پر غور سے کام لیتے ہوئے مختلف جہات سے اقدامات کیے تھے۔ اگر تقسیم وطن کا المناک اور خونچکاں بھیانک واقعہ نہ ہوتا تو بھارت اور اس کے باشندوں سمیت مسلمانوں کی تصویر وحالت پر ملت آج سے بہت مختلف ہوتی۔

آزادی سے پہلے مسلم لیگ، جمعیۃ علماء ہند اور امارتِ شرعیہ بہار و اڑیسہ کے زیر سرکردگی و سربراہی جس قسم کی سرگرمیاں اور تحریک آزادی کے لیے کوششیں ہوئیں، اگر وہ باہمی اتحاد واشتراک کے ساتھ جاری رہتیں تو یقیناً بہتر نتائج و اثرات مرتب ہوتے لیکن محمد علی جناح کی دین اور علما بیزاری کی غلط ذہنیت نے حالات کو بگاڑنے کا کام کیا اور جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ اور ان کے اکابرین مولانا محمد سجاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید دہلوی، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاری وغیرہم کی تمام تر متحدہ و متفقہ کوششیں جناحی ضد کے سامنے بار آور نہیں ہوسکیں اور ایسے حالات پیدا ہوئے کہ بالآخر وطن تقسیم ہوگیا جس کے نتیجے میں دونوں طرف خصوصاً بھارت میں مسلم اقلیت کے لیے جو تکلیف دہ بھیانک حالات پیدا ہوئے ان میں اس کے لیے الگ اپنی آزاد سیاست و قیادت والی کسی متحدہ سیاسی پارٹی کی تشکیل کرکے اس کے جھنڈے تلے سیاسی وانتخابی عمل کی راہ میں کئی طرح کی رکاوٹیں اور دیواریں کھڑی ہوگئیں اور اوّلین مسئلہ مسلم ملت واقلیت کے جان ومال اور عزت وآبرو کا تحفظ اور وجود کو بچانے اور باز آبادکاری کا ہوگیا۔ ہندوتووادی عناصر اگرچہ آزادی کے پہلے بھی اپنے مقاصد وعزائم کو لے کر سرگرم عمل تھے تاہم گاندھی، نہرو کے عروج وظہور اور اکابر جمعیۃ و امارت کی بیدار مغزی اور ان تھک جدوجہد کے طفیل ان کو مطلوبہ کامیابی نہیں ملی۔

آزادی اور تقسیم کے ساتھ ہی بدلتی صورت حال میں کانگریس اور اس کے بیشتر لیڈروں کے رویے میں تیزی سے تبدیلی شروع ہوگئی اور وہ بری طرح فرقہ پرست ہندوتووادی عناصر کی سرگرمیوں کے دباؤ میں آتے چلے گئے۔ گاندھی جی کی طرح بہت کم لیڈروں میں فرقہ پرستی اور فرقہ پرستوں سے مقابلے ومزاحمت کی طاقت و ہمت رہ گئی تھی، اس کے باوجود مسلم اکابرین اور ان کی رہنمائی میں مسلم ملت نے خاصی بیداری اور ہمت سے حالات کا سامنا ومقابلہ کیا اور اب بھی کررہی ہے۔ بہت سے لوگوں نے اپنے سیاسی اور دیگر مقاصد وعزائم کے پیش نظر مسلم اقلیت وملت کی کمزوری، مایوسی اور بے ہمتی کی بہت بڑھا چڑھا کر تشہیر کی جس کے نتیجے میں اس کی مایوسی، مصیبت اور غم وغصے میں اضافہ ہوا۔ اس کے باوجود یہ کہنا مبنی برحقیقت نہیں ہوگا کہ مسلم ملت نے خود کو گم اور حاشیے پر رہنے کی حالت کو قبول کرلیا ہے۔

آزادی کے ساتھ ہی ملک کے بدلتے منظرنامے میں مولانا آزاد، مولانا مدنی، مولانا حفظ الرحمٰن، ڈاکٹر سیّد محمود نے درپیش صورتحال کا حسب استطاعت پوری جرات و ہمت کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اس کا ثبوت جمہوری کنونشن، مسلم کنونشن اور مسلم مجلس مشاورت وغیرہ کی تمام مخالفتوں کے باوجود پروگرام اور قیام ہے، اور بعد کے دنوں میں کئی معروف پارٹیوں اور تنظیموں کے قیام اور ان کی سرگرمیوں کو بھی صورتحال کے مقابلے ومزاحمت کے زمرے میں رکھا جاسکتا ہے۔ ضرورت اس بات کی تھی کہ موجودہ تنظیموں اور پارٹیوں میں مشترکہ و متحدہ مقاصد واغراض کے تحت ساتھ ہوکر کام کیا جاتا، اس کے برعکس اتحاد وضرورت کے اظہار اور مسائل کے نام پر گزرتے دنوں کے ساتھ نئی نئی پارٹیوں اور تنظیموں کی ولادت ہوتی چلی گئی اور اب بھی اس کی ضرورت کا آئے دن اظہار ہوتا رہتا ہے۔

۲۰۱۴ء کے بعد سے اس کے متعلق کچھ زیادہ ہی باتیں ہونے لگی ہیں۔ آزادی سے پہلے امارت شرعیہ اور جمعیۃ علماء ہند کی سربراہی اور مولانا محمد سجاد کی قیادت میں ملّی سیاست کا بہار میں ایک کامیاب تجربہ کیا گیا تھا۔ اگر مولانا محمد سجاد ملک کی آزادی تک باحیات ہوتے اور تقسیم وطن کا سانحہ پیش نہ آتا تو بھارت کے کئی حصے میں بہار کے سیاسی تجربے کے مسلسل اعادے کے روشن امکانات تھے۔ جمعیۃ علماء ہند کے فارمولے میں پوری پوری رہنمائی موجود ہے۔ مولانا محمد سجاد اور سنگھ کے بانی ڈاکٹر ہیڈگیوار کا آزادی سے پہلے ہی ۱۹۴۰ء میں انتقال ہوگیا تھا اور گاندھی جی بھی آزادی کے چند مہینے کے بعد ہی گوڈسے کی گولی کا شکار ہوگئے۔ اس کے پیش نظر ملک کے مستقبل اور نظام حکومت کی کامیاب شکل کے متعلق کوئی حتمی بات کہنا بہت مشکل ہے تاہم جمعیۃ علماء ہند اور امارت شرعیہ کے اکابرین جیسے مولانا سجاد، مولانا مدنی اور مولانا آزاد وغیرہم کا طرزِ حکومت اور سیاسی نہج کے متعلق موقف بہت صاف ہے۔ مولانا محمد سجاد جمعیۃ علماء ہند کے بنیادی ارکان ورہنماؤں میں سے تھے اور مولانا مدنی بھی، دونوں کے درمیان بنیادی مقاصد وامور کے سلسلے میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ باہمی تعاون واشتراک سے سارے کام انجام پاتے تھے۔ لیگ کی طرح تقسیم وجداگانہ سیاسی رویے کے لیے ان کی جدوجہد میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ مولانا محمد سجاد کا ملک کی آزادی کے ساتھ پیدا شدہ حالات میں موقف جمعیۃ علماء ہند اور مولانا آزاد اور مولانا مدنی سے الگ نہیں ہوتا کہ تقسیم وطن سے سابقہ و سیاسی سماجی منظرنامہ پوری طرح بدل گیا تھا۔ آزادی کے بعد اور آج کے حالات کے تناظر میں آزادی سے پہلے کی صورتحال اور اقوال وافعال سے (باقی صـ۱۴ پر)

گوشہ روزگار

ریٹیل سیکٹر میں بھی ہے کیریئر

تیزی سے بڑھتی شہرکاری، پھلتے پھولتے شاپنگ سینٹرس اور ملٹی اسٹوری مالس نے عالمی معیشت پر اثر ڈالا ہے اور ایک نئی اُبھرتی ہوئی انڈسٹری ریٹیل کی صورت گری کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس سال کے اقتصادی جائزہ میں ایف ڈی آئی کی بات کی گئی ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق ہندستان کا ریٹیل مارکیٹ ۲۰۱۵ء تک ۶۳۵، ارب ڈالر ہوجائے گا۔ آنے والے دنوں میں اس میں ملازمت کے کافی امکانات ہیں۔ ریسٹورینٹ چین کانسپٹ نے ساری فضا ہی بدل دی ہے۔ آج کل کالج کے اسٹوڈنٹس بھی شام کے وقت میک ڈونالڈ، پزاہٹ اور بریستا جیسے ریستوراں میں پزا، برگر پیش کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ ایسے میں ہندستان میں ایک نیا سیکٹر ریٹیل سیکٹر ڈیولپ ہوا ہے جو کہ اچانک بہت زیادہ لائم لائٹ میں آگیا ہے۔ ریٹیل سیل مینجمنٹ کا ایسا طریقہ ہے کہ جو مختلف منظّم طریقوں سے چھوٹے سے لے کر بڑے مصنوعات کو گاہکوں کی سہولت اور مانگ کے مطابق ایک ہی جگہ پر فراہم کراتا ہے۔ ہندستان میں یہ آئی ٹی سیکٹر کے بعد سب سے تیزی سے ترقی کرنے والا سیکٹر ہے۔ میٹروشہروں میں اچھی کامیابی ملنے کے بعد اب ان ریٹیل کمپنیوں نے نیم میٹروشہروں کا رُخ کیا ہے۔ ان کمپنیوں کے ذریعہ ریٹیل فیلڈ میں اتنی گرم جوشی کا مظاہرہ دراصل اس کے وسیع امکانات کو دیکھ کر ہی کیا جارہا ہے۔ ہندستان میں آرگنائزڈ ریٹیل مارکیٹ صرف تین فیصد ہے۔ بقیہ ۹۷ فیصد مارکیٹ کو ابھی استعمال ہی نہیں کیا گیا ہے۔ جس کے کافی امکانات ہے۔ ریلائنس، پنٹالون، ٹائٹن، ریمنڈس، بریستا، بگ بازار، لائف اسٹائل، ویسٹ سائڈ جیسی کئی بڑی کمپنیوں کی طرف سے ملک بھر میں ریٹیل چین کھولنے کا ٹرینڈ چل رہا ہے جس کے تحت کمپنیوں کے آؤٹ لیٹس پر ریٹیل مینجمنٹ کا کورس کیے نوجوانوں کو ترجیح دی جارہی ہے۔

بہتر اسکل، بہترین کام

ریٹیل سیکٹر میں کام کرنے کے لیے کسی مخصوص صلاحیت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس فیلڈ میں جتنا زیادہ آپ کو دلچسپی ہوگی اتنی زیادہ آپ کی کامیابی کے امکانات بڑھ جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ امیدواروں کے اپٹی ٹیوڈ جاننے کے لیے شاپنگ مال مینجمنٹ یا ریٹیل اسٹور مینجمنٹ انٹرویو کے ذریعہ سے نوجوانوں کی دلچسپی کو سمجھتے ہیں۔ اگر آپ اس فیلڈ میں کیریئر کو سنوارنے کا خواب دیکھ رہے ہیں تو کمیونی کیشن اسکل پر خصوصی توجہ دینی ہوگی۔ کیونکہ یہاں گاہکوں کی پسند کو پرکھنا ہوتا ہے۔ آپ میں کسٹمر کو ہینڈل کرنے کی خوبی ہونی چاہیے اور سیلنگ اسکل ہونا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ گاہکوں کو راغب کرنے کے لیے پازیٹیو اپروچ کے ساتھ باڈی لینگویج بھی ایسی ہونی چاہیے جو دوسرے کو آپ کی طرف راغب کرسکے۔ جس سے کسٹمر آپ سے متاثر ہوسکے۔ اگر آپ کسی خاص پروڈکٹ کے شوروم میں کام کرنے کے خواہش مند ہیں تو آپ کو پروڈکٹ کے مطابق صلاحیت پیدا کرنی ہوگی۔ جیسے اگر آپ پینٹس کے شوروم میں کام کرنا چاہتے ہیں تو تمام پینٹس کے بارے میں، ان کے رنگوں کے بارے میں سمجھ ہونی چاہیے۔ اسی طرح گارمینٹس اسٹور میں کام کرنے والے کو کپڑوں کے بارے میں بہتر جانکاری ہونی چاہیے۔ اسی طرح کچھ ریٹیل کمپنیاں کسانوں سے کئی خوردنی اشیاء خرید رہی ہیں۔ اگر آپ کو اس کام کے لیے رکھا جاتا ہے تو یہ توقع کی جاتی ہے کہ آپ کم قیمت پر ان کے پروڈکٹ خرید سکیں۔ اس کے لیے آپ کو کسانوں سے مول بھاؤ کرنے کا ہنر آنا چاہیے۔

اہلیت: ریٹیل مینجمنٹ میں بیچلر ڈگری (بی بی اے) کرنے کے لیے بارہویں اور ایم بی اے کرنے کے لیے کسی بھی مضمون میں گریجویٹ ہونا ضروری ہے۔ یہاں روزانہ کئی لوگوں سے ملنا ہوتا ہے جس کے لیے اچھا کمیونی کیشن اسکل اور رویے میں نرمی ضروری ہے۔ نوجوانوں کے لیے شاپنگ اب شوق کی شکل اختیار کرتی جارہی ہے۔ ریٹیل مینجمنٹ میں اسٹوڈنٹس کو مارکیٹنگ انفارمیشن، فائنانس مینجمنٹ، اکاؤنٹنگ ان ریٹیل، الیکٹرانک ریٹیلنگ، مرچنڈائز مینجمنٹ وغیرہ موضوعات کے بارے میں تفصیل سے پڑھا جاتا ہے۔

کہاں ہیں مواقع: آپ ملٹی برانڈ اسٹور، بینک، شاپنگ مالس، ملکی اور غیر ملکی کمپنیوں کے بڑے بڑے شوروم میں نوکری کرسکتے ہیں۔ کسی بھی بڑے ریٹیل اسٹور میں ۲۵۰ سے (باقی صـ۱۴ پر)

دریچے

م-س-ج-

دیسی گھی - جدید میڈیکل سائنس کی نظر میں

دیسی گھی دیہاتوں اور گاؤں میں استعمال ہونے والی ایک عام خوراک ہے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ جب انسان نے ترقی کی تو وہ اس سے دور ہوگیا۔ دراصل انسان نے قدرتی چیزوں کی کمی کو پورا کرنے کے لیے مصنوعی چیزیں تیار کرلیں جو نہ صرف کم وقت میں تیار ہوجاتی ہیں بلکہ کم لاگت میں زیادہ فائدہ بھی دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بکرے، گائے اور دیسی مرغی کی جگہ برائیلر مرغی نے لے لی ہے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ دیسی گھی مہنگا ہے اس لیے بھی آج تقریباً ہر گھر میں بناسپتی گھی استعمال کیا جاتا ہے۔ گھی کا لفظ سنسکرت زبان کے لفظ 'گرو' سے لیا گیا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے جگمگانا اور اسی سے 'گرتھ' لفظ بنا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے ایسی چیز جو جگمگاتی ہے۔ خالص دیسی گھی کسی بھی جانور کے دودھ سے بنایا جاسکتا ہے لیکن وہ دیسی گھی جو گائے یا بھینس کے دودھ سے بنایا جاتا ہے اسے سب سے بہترین مانا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گائے کے دودھ میں ان تمام پیڑ پودوں کا اثر ہوتا ہے جو اس مخصوص علاقے میں ہوتے ہیں جہاں وہ گائے چرتی ہے کیونکہ گائے تقریباً وہ تمام پیڑ پودے کھاتی ہے جو اس مخصوص علاقے میں اگتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ گائے کے دودھ میں اور اس دودھ سے بنائے ہوئے گھی میں ان تمام پیڑ پودوں کا اثر موجود ہوتا ہے۔

دیسی گھی میں کیا کیا ہوتا ہے؟ دیسی گھی اپنے Short Chain Fatty Acids کی وجہ سے منفرد مقام رکھتا ہے کیونکہ دیسی گھی اس چربی کا بہت ہی اچھا سورس ہے۔ اس کے علاوہ دیسی گھی میں وٹامن اے، کے، وی اور ای بھی پایا جاتا ہے۔ اب یہ بات بھی سمجھ لیتے ہیں کہ یہ کام کیسے کرتا ہے۔

دماغ: انسان کا ساٹھ فیصد دماغ فیٹس (چربی) سے مل کے بنتا ہے، یہ وہ فیٹس ہوتی ہے جو انسانی جسم خود سے نہیں بنا سکتا بلکہ انسان خوراک سے حاصل کرتا ہے۔ اس بات کو بھی سمجھ لیں کہ جیسے جیسے انسان کی عمر بڑھتی ہے اس کے دماغ کے فیٹ سیلز بھی کم ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس لیے دیسی گھی انسان کے دماغ کے لیے بہت ہی زیادہ فائدے مند رہتا ہے۔ اس کے علاوہ دیسی گھی آپ کے دماغ، آپ کے نروز اور آپ کے نیوروٹرانس میٹرز کو اچھے سے کام کرنے کے لیے ایک بہت ہی اچھا ماحول فراہم کرتا ہے۔

آنکھیں: اب بات کرتے ہیں آنکھوں کی۔ دیسی گھی وٹامن اے کا بہت ہی اچھا سورس ہوتا ہے اس لیے یہ آپ کی آنکھوں کے لیے بہت ہی زیادہ فائدے مند ہوتا ہے۔ اس چیز کو ذرا سا سمجھ بھی لیجیے کہ لمبے عرصے تک موبائل اسکرین یا کمپیوٹر اسکرین دیکھتے رہنے سے ہوتا یہ ہے کہ ہمارے وہ گلینڈز جو آنسو بناتے ہیں وہ صحیح طرح سے کام کرنا بند کردیتے ہیں، جس کی وجہ سے آنکھوں میں روکھا پن، جلن اور بصارت کی کمزوری جیسی بیماریاں پیدا ہونے لگتی ہیں۔ اگر آپ ان چار میں سے کسی بیماری میں مبتلا ہیں تو آپ کو اپنی خوراک میں دیسی گھی کو ضرور شامل کرنا چاہیے۔ جو وٹامن اے دیسی گھی سے حاصل ہوتا ہے وہ گاجر سے نہ صرف زیادہ ہوتا ہے بلکہ زیادہ اثردار بھی ہوتا ہے۔ ایسا اس لیے ہوتا ہے کیونکہ دیسی گھی میں جو وٹامن ہوتا ہے یہ دو فارم میں ہوتا ہے جس میں سے ایک ایسٹر ہے جبکہ دوسرا کیٹروٹین ہے۔ اس لیے جب آپ دیسی گھی کھاتے ہیں تو یہ نہ صرف آپ کے جسم کو بہت زیادہ مقدار میں وٹامن اے دیتا ہے بلکہ یہ اس میں اچھی طرح سے جذب بھی ہوجاتا ہے۔

وٹامنز: وٹامن ڈی دیسی گھی میں دوسرا اہم وٹامن ہوتا ہے۔ یہ آپ کے جسم میں کیلشیم اور فاسفورس کو جذب کرتا ہے، اس لیے دیسی گھی بڑھتے ہوئے بچوں، حاملہ عورتوں اور محنت کرنے والے افراد کے لیے بہت زیادہ مفید ہے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کا جسم خود بخود وٹامن ڈی پیدا کرے تو آپ کو چاہیے کہ صبح صبح باریک کپڑے پہن کر کچھ دیر دھوپ میں بیٹھیں۔ اسی طرح وٹامن ای کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہے کہ یہ ایک بہت بہترین اینٹی آکسیڈنٹ (زہریلا مادّہ خارج کرنے والا) ہے، جو قوتِ مدافعت بڑھا دیتا ہے۔ جسم میں جو زہریلے مادّے پیدا ہوتے ہیں انھیں یہ نکال کر باہر پھینکتا ہے۔ وٹامن ای کا یہ اصلی فائدہ نہیں، بلکہ اصلی فائدہ یہ ہے کہ وٹامن ای کو مناسب مقدار میں لینے سے آپ کی جلد چکنی، لچیلی اور چمکدار ہوجاتی ہے اس لیے اگر آپ کی عمر تیس سال سے زیادہ ہے تو آپ کو دیسی گھی کھانا اور جسم پر لگانا بھی چاہیے۔ کچھ مرد حضرات اور خواتین اسمارٹ رہنے کے چکر میں دیسی گھی کا استعمال نہیں کرتیں کیونکہ انھیں لگتا ہے کہ دیسی گھی کھانے سے ان کے جسم کی ساخت خراب ہوجائے گی۔ ایسا کچھ بھی نہیں بلکہ ایسا کرنے سے بیماریوں کے خلاف قوتِ مدافعت کم ہوجاتی ہے۔ آپ نے ایسے لڑکے اور سلم اسمارٹ لڑکیاں دیکھی ہوں گی جن کا موسم بدلتے ہی برا حال ہوجاتا ہے۔ نزلہ، زکام، کھانسی، بخار انھیں گھیر لیتے ہیں۔ سال بھر ان کے جسم میں کہیں نہ کہیں درد ضرور ہوتا ہے اور اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے ساتھ ایسا نہ ہو تو دیسی گھی ضرور استعمال کریں۔ پھر وٹامن کے کی باری آتی ہے، جو ہڈیوں کے لیے بہت فائدے مند ہوتا ہے۔ یہ کسی بھی قسم کی چوٹ کو ٹھیک کرنے میں بہت مفید ہوتا ہے۔ یہ جلد کٹنے، جلنے اور رگڑ لگنے کا بہترین علاج ہے۔ وہاں دیسی گھی لگا دیا جائے تو سب کچھ ٹھیک ہونے لگتا ہے۔

کائڈیوویسکولر سسٹم (دل کا نظام): دیسی گھی میں ایس سی ایف اے اور بیوٹیرک ایسڈ ہوتا ہے اس لیے اگر آپ دیسی گھی لیتے ہیں تو دیسی گھی آپ کے جسم اور خون کی نالیوں میں جمی چربی کو باہر نکال دیتا ہے اس لیے اگر آپ اچھی مقدار میں دیسی گھی لیتے ہیں تو آپ موٹاپے سے نجات حاصل کرسکتے ہیں۔ دیسی گھی لینے کا دوسرا فائدہ یہ ہوتا ہے کہ یہ آپ کی وینز اور آرٹیریز کی لچک بڑھا دیتا ہے۔ اگر فیملی ہسٹری دل کی بیماریوں کی ہے یا جو لوگ سگریٹ پیتے ہیں اور جو کسی ایسی جگہ رہتے ہیں جہاں بہت زیادہ آلودگی ہو تو دیسی گھی اینٹی آکسیڈنٹ کا کام کرتا ہے۔ یہ قد بڑھانے کے لیے ایک بہت ہی مفید غذا سمجھی جاتی ہے۔

ایک دن میں کتنا دیسی گھی کھانا چاہیے: فوڈ اینڈ نیوٹریشن بورڈ آف دی نیشنل ریسرچ کے مطابق ایک صحت مند نوجوان کی کل خوراک کا بیس فیصد حصہ فیٹس سے لیا جانا چاہیے۔ اس سے آپ ایک دن میں بڑے آرام سے بیس سے تیس گرام دیسی گھی کھا سکتے ہیں۔ یہاں اس بات کو بھی سمجھ لیں کہ فیٹ یعنی چکنائی لینے کی زیادہ سے زیادہ حد ۳۵ فیصد ہے اس لیے ہم زیادہ دیسی گھی بھی کھا سکتے ہیں لیکن ہم دن بھر میں جو خوراک لیتے ہیں اس میں بھی کہیں نہ کہیں چکنائی ضرور ہوتی ہے اس لیے تیس گرام سے زیادہ دیسی گھی نہیں کھانا چاہیے۔ اگر آپ چاہتے ہیں کہ آپ جو دیسی گھی کھا رہے ہیں اس کا آپ کو پورا پورا فائدہ ملے تو آپ روزانہ پیدل چلنے کو معمول بنالیں۔ جب بچے بڑھ رہے ہوں، ان کی خوراک میں دیسی گھی کو ضرور شامل کیا جائے جس سے وہ لمبی چوڑی جسامت حاصل کرتے ہیں۔

ہم آج بھی مسائل کے بجائے ذات پات اور مذہب کے نام پر ووٹ ڈال رہے ہیں

آج کے لوگ پارٹی اور نظریہ لباس کی طرح بدل رہے ہیں جو بیحد افسوسناک ہے

ہر پارٹی دیکھ رہی ہے اپنا مفاد، اصولوں کی سیاست کا رجحان ختم ہوچکا ہے

سابق وزیر اعظم چودھری چرن سنگھ کے ساتھی ۹۰ سالہ چودھری نریندر سنگھ کا ایک انٹرویو

سابق وزیر اعظم آنجہانی چودھری چرن سنگھ اور ان کے پریوار کا مضبوط قلعہ رہا ہے چھپرولی، یہاں سے پانچ بار ممبر اسمبلی رہ چکے ایڈوکیٹ نریندر سنگھ اب نوے سال کے ہو چکے ہیں۔ سیاست کی دنیا کا انھیں ایک لمبا تجربہ ہے۔ سیاست میں ہو رہی تبدیلی کے بارے میں سوال اُٹھتے ہی وہ کہتے ہیں: زمانہ بہت بدل گیا۔ پالیسیاں بدل گئیں، نظریات بدل گئے، نہیں بدلے تو صرف ہم اور آپ۔ افسوس ہے کہ آج بھی لوگ ذات اور مذہب کے نام پر ووٹ ڈالتے ہیں۔ پیش ہے ان سے بات چیت کے خاص حصے۔

س: آپ ترجمان تھے، پھر سیاست میں کیسے آگئے؟

ج: میرا اصلی گاؤں کرٹھل ہے۔ ایک بار قریب کے گاؤں تگانا میں چودھری چرن سنگھ آئے تھے تو ان کا مجھ پر بیحد اثر پڑا۔ وکالت مکمل کرنے کے بعد میرٹھ کچہری میں وکالت شروع کردی۔ ۱۹۷۱ء میں ایک ایسا دور آیا جب حکومت کی مخالفت کرنے پر کسانوں پر یکے بعد دیگرے مقدمے ہونے لگے۔ ۱۹۷۷ء تک یہ سلسلہ چلا۔ میں نے کئی وکیلوں کو ساتھ لے کر ایک گروپ بنایا جو میرٹھ ہی نہیں بلکہ قرب و جوار کے سبھی ضلعوں میں ان کسانوں سے

انتخابات تو ہر ۵ سال میں یا اس سے پہلے بھی ہوتا ہی ہے لیکن اہم یہ ہے کہ مسئلوں پر بات ہی نہیں ہورہی ہے۔ ہم انگریزوں کے طویل عرصہ تک اس لیے ہی غلام رہے کیونکہ ہم مذہب اور ذات پات میں بنٹے رہے۔ بدقسمتی ہے کہ آج بھی ہم ووٹ مذہب اور ذات کی بنیاد پر ہی دے رہے ہیں اور پارٹیاں بھی زیادہ اسی پر فوکس کر رہی ہیں۔

بغیر فیس لیے ہی مقدمے لڑتے، اس سے چودھری چرن سنگھ متاثر ہوگئے اور ۱۹۷۷ء میں انھوں نے مجھے بلا کر چھپرولی سے انتخاب لڑا دیا۔

س: یوپی میں انتخابات قریب ہیں، سبھی کے دعوؤں پر کیا کہنا چاہیے؟

ج: دیکھئے انتخابات تو ہر ۵ سال میں یا اس سے پہلے بھی ہوتا ہی ہے لیکن اہم یہ ہے کہ مسئلوں پر بات ہی نہیں ہورہی ہے۔ ہم انگریزوں کے طویل عرصہ تک اس لیے ہی غلام رہے کیونکہ ہم مذہب اور ذات پات میں بنٹے رہے۔ بدقسمتی ہے کہ آج بھی ہم ووٹ مذہب اور ذات کی بنیاد پر ہی دے رہے ہیں اور پارٹیاں بھی زیادہ اسی پر فوکس کر رہی ہیں۔

س: آپ کا تو لمبا تجربہ ہے۔ آج کیا سیاست میں تبدیلی دیکھتے ہیں؟

ج: بہت تبدیلی ہوئی ہے، پہلے لوگ نہ پارٹی بدلتے تھے اور نہ خیالات۔ اب تو صبح سے شام ہوتے ہوتے کون کس پارٹی میں چلا جائے کچھ معلوم نہیں، اسی طرح سے اصولوں کے اب کوئی خاص معنی نہیں ہیں لیکن اصولوں کی طرف لوٹنا ہی ہوگا۔ تبدیلی تو ضرور آئے گی۔

س: آر ایل ڈی بھی تو الگ الگ پارٹیوں سے اتحاد کرتا ہی رہا ہے؟

ج: بات کسی ایک پارٹی کی ہے ہی نہیں۔ بات پورے منظر نامہ کی ہے۔ تمام پارٹیاں اپنا اپنا مفاد دیکھ رہی ہیں۔ یہ ضرور کہوں گا کہ راشٹریہ لوک دل اب بھی چودھری چرن سنگھ کی پالیسیوں پر چلنے کی کوشش کر رہا ہے۔ باقی پارٹیوں میں بھی ایسے لوگ ہیں جو اصولوں کی سیاست کرنا چاہتے ہیں مگر ان کی تعداد بہت کم ہے۔ اس پر بھی بیچارے الگ تھلگ پڑے ہیں۔

س: بی جے پی کی مرکز اور یوپی دونوں میں حکومتیں ہیں، کیا اس سے صوبہ کی زیادہ ترقی ہوئی ہے؟

ج: پارٹی جب اقتدار میں آ کر حکومت سازی کرتی ہے تو وہ سب کی ہو جاتی ہے۔ اس کا کام ہے کہ سبھی کو ساتھ لے کر چلے۔ افسوس یہ ہے کہ غریب، کسان اور متوسط طبقہ ملک اور صوبہ میں حقیقت میں پریشان ہیں۔ حکومت کو اس پر فوری توجہ دینی چاہیے۔

س: آج ٹکٹ کے لیے امیدوار بڑی مشقت کرتے ہیں۔ آپ کے زمانہ میں ٹکٹ کیسے ملتا تھا؟

ج: اس دور میں کام کرنے والے امیدواروں کو ہی ٹکٹ ملتا تھا۔ پارٹی کے لیڈر خود بلا کر اسے ٹکٹ دیتے تھے۔ میں ۱۹۷۷ء میں پہلی بار چھپرولی سے لڑا اور کامیاب بھی ہوا۔ زیادہ تر ایسا ہی ہوا کہ

سال ۱۹۸۵ء کے انتخابات میں چودھری چرن سنگھ کی لڑکی سروج ورما کو ٹکٹ دیا گیا اور وہ چھپرولی سے جیت گئیں۔ بدقسمتی سے ان کی موت ہوگئی۔ یہاں ۱۹۸۸ء میں ضمنی انتخاب ہوا تو پھر سے مجھے ہی اس پریوار نے ٹکٹ دیا اور میں جیت گیا۔ اب تو ٹکٹ پانے کے بھی لاکھوں ہتھکنڈے ہیں، حالانکہ اس وقت بھی کچھ نیتا اچھے کارکنوں کو ٹکٹ دیتے ہیں۔

ٹکٹ کے لیے کہنا ہی نہیں پڑا۔ سال ۱۹۸۵ء کے انتخابات میں چودھری چرن سنگھ کی لڑکی سروج ورما کو ٹکٹ دیا گیا اور وہ چھپرولی سے جیت گئیں۔ بدقسمتی سے ان کی موت ہوگئی۔ یہاں ۱۹۸۸ء میں ضمنی انتخاب ہوا تو پھر سے مجھے ہی اس پریوار نے ٹکٹ دیا اور میں جیت گیا۔ اب تو ٹکٹ پانے کے بھی لاکھوں ہتھکنڈے ہیں، حالانکہ اس وقت بھی کچھ نیتا اچھے کارکنوں کو ٹکٹ دیتے ہیں۔ ◻◻

مرکزی حکومت نے میری 'بوسٹر ڈوز' کی صلاح مان لی، یہ ایک صحیح قدم ہے: راہل گاندھی

نئی دہلی: وزیر اعظم نریندر مودی نے قوم کے نام اپنے خطاب کے دوران اعلان کیا کہ ملک میں طبی اہلکاروں، فرنٹ لائن ورکرز اور ۶۰ سے زیادہ عمر کے بزرگوں کو کورونا ویکسین کی اضافہ احتیاطی خوراک یعنی کہ 'بوسٹر ڈوز' فراہم کی جائے گی۔ اس پر کانگریس کے سابق صدر راہل گاندھی نے ردعمل ظاہر کرتے ہوئے کہا ہے کہ حکومت نے ان کی صلاح مان لی ہے اور یہ ایک صحیح قدم ہے۔ خیال رہے کہ وزیر اعظم نریندر مودی نے اعلان کیا ہے کہ طبی اہلکاروں اور فرنٹ لائن ورکرز کے علاوہ ۶۰ سال سے زیادہ عمر کے لوگوں کو بوسٹر ڈوز فراہم کرنے کا سلسلہ ۱۰ر جنوری ۲۰۲۲ء سے شروع کر دیا جائے گا۔ اس کے علاوہ انہوں نے ۱۵ سے ۱۸ سال کی عمر کے بچوں کی ۳ر جنوری سے ٹیکہ کاری شروع کرنے کا بھی اعلان کیا۔ راہل گاندھی نے ۲۲ر دسمبر کو اپنے ٹوئٹ میں ملک کے شہریوں کو بوسٹر ڈوز فراہم کرنے کا مطالبہ کیا تھا۔ ایک خبر کا اسکرین شاٹ شیئر کرتے ہوئے راہل گاندھی نے ٹوئٹ کیا کہ ملک کی آبادی کی اکثریت کی ٹیکہ کاری تاحال مکمل نہیں ہوسکی ہے۔ حکومت ہند بوسٹر ڈوز لگانی کب شروع کرے گی۔ راہل گاندی نے ٹوئٹ کے ساتھ جس خبر کو شیئر کیا اس کے مطابق ٹیکہ کاری کی موجودہ رفتار کے حساب سے دسمبر تک ملک کے ۴۲ فیصد شہریوں کو ٹیکہ لگایا جا سکے گا۔ جبکہ کورونا کی تیسری لہر کو آنے سے روکنے کے لئے دسمبر تک ملک کے ۶۰ فیصد شہریوں کی ٹیکہ کاری مکمل ہو جانی چاہئے۔ اس کے لئے ٹیکہ کاری کی موجودہ رفتار تقریباً ۵ء۵ ملین ڈوز یومیہ سے بڑھا کر تقریباً ۶۱ ملین یومیہ کئے جانے کی ضرورت ہے۔ وزیر اعظم نریندر مودی نے کورونا کے نئے ویرینٹ اومیکرون کے خدشات کے پس منظر میں قوم کے نام اپنے خطاب کے دوران کہا کہ اومیکرون کے معاملے تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ ایسے حالات میں ہمیں محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ۱۵ سے ۱۸ سال کی عمر والے بچوں کے لئے ۳ر جنوری سے ٹیکہ کاری کی شروعات کی جائے گی۔ وزیر اعظم نے کہا کہ ۶۰ سال سے زیادہ عمر کے کو ماربیڈیٹی (ایک سے زیادہ بیماری میں مبتلا) والے شہریوں کو ان کے ڈاکٹر کی صلاح پر احتیاطی خوراک فراہم کی جائے گی۔

ہوا کے دوش پر

ایک ٹانگ والے کُنگ فوماسٹر کے چرچے

شمالی شام میں ایک ٹانگ والے کنگ فو ماسٹر نے ساری دنیا کو حیران کر کے ثابت کیا ہے کہ ہمت و حوصلے کے ساتھ کسی بھی معذوری کو شکست دی جا سکتی ہے۔ فاضل عثمان نامی ۲۴ سالہ نوجوان کو بچپن ہی سے مارشل آرٹ کا شوق تھا اور وہ بارہ سال کی عمر سے کنگ فو سیکھ رہا تھا۔ وہ شمالی شام کے ابزیمو شہر کا رہائشی ہے جہاں باغی افواج قابض ہیں لیکن 2015ء میں باغیوں اور شام کی سرکاری فوج میں جھڑپوں کے دوران اس کی ایک ٹانگ شدید زخمی ہوگئی جسے بالآخر کاٹ دیا گیا۔ مزید علاج کی غرض سے اس نے تین سال ترکی میں بھی گزارے جہاں اس نے مارشل آرٹ بالخصوص کنگ فو کے استادوں سے تربیت حاصل کرنے کا سلسلہ جاری رکھا۔ ایک ٹانگ کٹ جانے کے باوجود عثمان نے ہمت نہ ہاری اور کنگ فو کی مشق جاری رکھتے ہوئے اپنے ہنر کو بہتر بنانے کا سلسلہ جاری رکھا۔ شام واپس پہنچنے کے بعد عثمان نے اپنے شوق کی تکمیل میں ایک قدم آگے بڑھاتے ہوئے ابزیمو میں ایک مارشل آرٹ اسکول کھول لیا جہاں وہ بچوں کو کنگ فو کی تربیت دیتا ہے۔ یہاں تقریباً سو بچے اس سے کنگ فو سیکھ رہے ہیں جن میں بڑی تعداد ایسے یتیموں پر مشتمل ہے جو خانہ جنگی کے باعث اپنے والدین کے سائے سے محروم ہو چکے ہیں۔

پندرہ سالہ لڑکا نیواڈا یونیورسٹی کا کم عمر ترین گریجویٹ بن گیا

امریکہ میں یونیورسٹی آف نیواڈا لاس ویگاس میں پندرہ سالہ طالب علم نے گریجویشن مکمل کرلیا، اس طرح وہ اس یونیورسٹی کی تاریخ میں سب سے کم عمر گریجویٹ بن گیا ہے۔ جیک ریکو نامی اس لڑکے کو آئندہ ہفتے گریجویشن کی تکمیل کے حوالے سے ففتھ ڈگری ایوارڈ کی جائے گی۔ اس طرح وہ اس یونیورسٹی میں گریجویشن کرنے والا سب سے کم عمر گریجویٹ بن گیا ہے۔ اس سے قبل اس نے کیلیفورنیا کے فولرٹن کالج سے ایسوسی ایٹ ڈگری دو سال میں حاصل کی اور صرف تیرہ برس کی عمر میں فولرٹن سے گریجویشن کر کے وہاں بھی کم عمر ترین گریجویٹ کا ریکارڈ قائم کیا تھا۔ ریکو کے مطابق تھرڈ گریڈ میں فیل ہونے کے بعد اس نے فیصلہ کیا تھا کہ اب وہ اپنے طریقے کے مطابق تعلیم حاصل کرے گا۔ اس نے مزید کہا کہ بچے ایک جیسے نہیں ہوتے، کچھ بچے پبلک اسکول میں خوب کامیابی حاصل کرتے ہیں تو کچھ گھر میں ہوم اسکول سے بہتر نتائج حاصل کرتے ہیں، لہٰذا میں سمجھتا ہوں کہ یہ بچے کی مرضی پر چھوڑنا چاہیے کہ اس کے لیے کیا بہتر ہے اور وہ کس طرح تعلیم حاصل کرنا چاہتا ہے۔

امریکہ میں ۷۰ سال سے زائد عمر کی سگی بہنوں میں پہلی ملاقات

امریکہ میں دو سگی بہنوں کی زندگی میں پہلی بار گزشتہ ہفتے ملاقات ہوئی۔ یہ دونوں بہنیں اب ۷۰ برس سے زیادہ عمر کی ہو چکی ہیں۔ ان دونوں کو ایک دوسرے کے وجود کا علم ایک ویب سائٹ کے ذریعے ہوا۔ امریکی ریاست کولوراڈو کے صدر مقام ڈینور کے انٹرنیشنل ہوائی اڈے پر ۷۶ سالہ ہیریٹ کارٹر اور ۷۳ سالہ لنڈا ہوف مین کی ملاقات ہوئی۔ بڑی بہن ہیریٹ کو ان کی پیدائش کے بعد والدین نے کسی اور خاندان کو گود دے دیا تھا جبکہ چھوٹی بہن کے مطابق اسے تو ساری زندگی والدین نے یہ بات ہی نہیں بتائی کہ اس کی ایک بڑی بہن بھی تھی۔ ان دونوں بہنوں نے حال ہی میں ایک ویب سائٹ کے طریقۂ کار پر دستخط کیے جس کے بعد ان کے ڈی این اے ٹیسٹ ہوئے جو سو فیصد میچ کر گئے تھے۔ چھوٹی بہن کے مطابق انھیں ہیریٹ کا ایک پیغام موصول ہوا تھا جس میں کہا گیا تھا کہ ان کے خیال کے مطابق ہم دونوں کا آپس میں تعلق ہے۔ دونوں کا کہنا ہے کہ انھیں گزرے ہوئے ۷۰ برس کے کھو جانے کا دکھ نہیں بلکہ اب وہ جو وقت باقی بچا ہے اس پر زیادہ فوکس کر رہی ہیں۔

خواب میں لاٹری جیتنے والی خاتون نے حقیقت میں لاٹری جیت لی

امریکہ میں ایک خاتون نے خواب میں دیکھا کہ انھوں نے لاٹری میں بھاری رقم جیتی ہے اور اب واقعی وہ تین لاکھ ڈالر کی لاٹری جیت چکی ہیں۔ مشی گن کاؤنٹی کی رہائشی ۴۶ سالہ خاتون نے اپنا نام ظاہر نہ کرتے ہوئے بتایا کہ انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ ان کی لاٹری نکلی ہے جبکہ انھوں نے کیش ورڈ ملٹی پلیئر لاٹری کا ٹکٹ خریدا۔ ان میں ناخن سے کھرچ کر ٹکٹ پر چھپے نمبر آشکار کیے جاتے ہیں اور نمبر یکساں ہونے پر مالی انعام ملتا ہے۔ خاتون نے بتایا کہ کئی برس قبل انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ وہ عین کیش ورڈ کے ذریعے ۲۵۰۰۰ ڈالر جیت گئی ہیں لیکن انھوں نے سوچا نہیں تھا کہ وہ ایک روز اس سے بھی بڑا انعام اپنے نام کرلیں گی۔ خاتون نے بتایا کہ وہ اس رقم سے نیا گھر خریدیں گی اور بقیہ رقم سرمایہ کاری میں صرف کریں گی۔ واضح رہے کہ مشی گن کی مشہور کیش ورڈ لاٹری اس سال جون سے شروع ہوئی ہے اور اب تک ڈیڑھ کروڑ ڈالر کے انعامات دے چکی ہے۔

پڑوسیوں کے کپڑے واپس نہ کرنیوالی بیوی پر طلاق کا مقدمہ

مصر کے ایک شہری نے مقامی عدالت میں اپنی بیوی سے طلاق کے لیے مقدمہ کردیا ہے کیونکہ وہ پڑوسیوں سے کپڑے مانگ کر پہنتی ہے اور واپس نہیں کرتی۔ اس تیس سالہ مصری شخص کی بیوی ۲۲ سال کی ہے جو ایک عجیب و غریب عادت میں مبتلا ہے۔ وہ اپنے پڑوسیوں سے کپڑے مانگ کر پہنتی ہے لیکن کبھی واپس نہیں کرتی۔ یہی نہیں بلکہ کپڑے واپس مانگنے والے پڑوسیوں کے ساتھ اس نے مار پیٹ بھی کی۔ اس شخص کو اپنی بیوی کی حرکتوں کا اس وقت پتہ چلا جب ایک پڑوسن نے اسے سرراہ روک کر ساری بات بتائی۔ بعد ازاں ایسی ہی شکایت دوسری پڑوسن نے بھی کی اور بتایا کہ اس شخص کی بیوی پڑوسن سے اس کی بیٹی کے کپڑے مانگ کر لے گئی تھی جو اس نے اب تک واپس نہیں کیے ہیں۔ جب اس نے کپڑے واپس کرنے پر اصرار کیا تو اس کی بیوی نے پڑوسن کو زدوکوب کیا لیکن کپڑے واپس نہیں کیے۔ پڑوسن نے دھمکی دی کہ اگر اس شخص نے اپنی بیوی کو نہیں روکا تو وہ پولیس میں اس کے خلاف رپورٹ درج کرادے گی۔ میں نے اپنی بیوی سے پوچھا تو یہ شکایت درست ثابت ہوئی۔ پھر میں نے اسے نئے کپڑے بھی لا کر دیئے لیکن اس نے اپنی عادت تبدیل نہیں کی۔

ماضی کے جھروکے سے

تاریخ آزادی کا ایک ورق

جو شہید ہوئے ہیں ان کی ذرا یاد کرو قربانی (۲)

تحریر: سیّد محمد ماجد حسن مظاہری

۲۳ر اپریل ۱۸۵۷ء کو ضدی کرنل اسمتھ نے میرٹھ میں فوجیوں کے لیے یہ حکم نافذ کیا کہ کل تمام دیسی فوجیوں کو کارتوسوں کے استعمال کا طریقہ سکھایا جائے گا۔ اس خبر سے تمام دیسی سپاہیوں میں بے چینی کی لہر دوڑ گئی، ۲۴ر اپریل کو ہر پلٹن سے ۱۵-۱۵ سپاہیوں کو بلایا گیا، اس طرح ۹۰ سپاہی میدان میں جمع ہوگئے۔ جب ان میں کارتوس تقسیم کیے گئے جس پر سور اور گائے کی چربی کے خول چڑھے ہوئے تھے تو پانچ سپاہیوں کے علاوہ سب نے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ اگر پورے ملک کی فوج یہ کارتوس لے لے گی تو ہم لیں گے ورنہ ہم برادری سے نکال دیئے جائیں گے۔ کرنل اسمتھ ان کے اس انکار سے تلملا گیا اور سب کو بارک جانے کا حکم دے کر یہ تجویز پیش کی کہ ان سب کو فوجی عدالت میں بلا کر مقدمہ چلایا جائے۔ ان ۸۵ جانبازوں میں ۴۹ مسلمان اور ۳۶ غیر مسلم تھے۔

''ارے دیکھو یہ کون لوگ آرہے ہیں۔ یہ ان کے ہاتھوں میں کیا ہے جو ڈھکا ہوا ہے۔'' یہ سوچ پوری بھی نہ ہوئی تھی کہ ہڈسن کی آواز آئی ''بہادر شاہ ظفر دیکھو میں آپ کی نظر آپ کو لوٹانے آیا ہوں جو بند ہوگئی تھی جس کو جاری رکھنے کے لیے تم نے غدر میں حصہ لیا تھا۔'' یہ کہہ کر ہڈسن نے سینی پوش اٹھانے کا حکم دیا تو طشت میں شہنشاہ ہند کے جواں سال بیٹوں اور پوتوں کے سر رکھے ہوئے تھے جو وطن عزیز کی آزادی کی خاطر سرکٹا کر سرخرو ہوگئے تھے۔ انگریزوں کا یہ نذرانہ دیکھ کر شاہ نے ہمّت اور استقلال کے ساتھ کہا ''ہم اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں۔ تیمور کی اولاد اسی طرح مذہب اور وطن عزیز کی خاطر سرخرو ہوکر باپ کے سامنے آیا کرتی ہے، میرے بچوں جلدی ہی تمھارا یہ بوڑھا باپ بھی وطن عزیز کی خاطر اپنی جان قربان کرکے تم سے آملے گا۔'' اس سے پہلے شہنشاہ کے ۲۴ر افراد خانہ کو ۱۸ر نومبر ۱۸۵۷ء کو معمولی سی فوجی کارروائی کے بعد تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا تھا جن میں شاہ کے دو داماد برادر اور بھتیجے وغیرہ شامل تھے۔ تھانہ بھون کے رئیس قاضی عبدالرحیم صاحب کسی ضرورت سے سہارنپور تشریف لائے تو ایک مخبر نے کلکٹر کو خبر کردی کہ تھانہ بھون کا رئیس ہاتھی اور آلات حرب خریدنے کیلئے سہارنپور آیا ہے۔ مخبر کی اس غلط اطلاع پر کلکٹر نے بلا تحقیق کیے قاضی صاحب اور ان کے رفقاء کو گولیوں کا نشانہ بنا کر شہید کردیا۔ اس خبر کے سنتے ہی تھان بھون کے لوگ حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ہمیں انگریزوں پر حملہ کرنے کی اجازت دیں تاکہ ہم ان سے وطن عزیز کو آزاد کرائیں۔ پھر کیا تھا حضرت حاجی صاحبؒ کے ساتھ مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حافظ محمد ضامن صاحبؒ، مولانا محمد منیر صاحبؒ، مولانا شیخ محمد احمد صاحبؒ اور قاضی صاحبؒ کے بھائی قاضی عنایت علی صاحبؒ قافلہ میں شامل ہوگئے اور ۱۲ر ستمبر ۱۸۵۷ء کو ان مجاہدین نے شاملی پر حملہ کرکے تحصیل کو اپنے قبضہ میں کرلیا اور وہاں موجود انگریزوں کو مار ڈالا جس کی وجہ سے انگریز کو شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ پھر یہ لڑائی تحصیل تک محدود نہ رہی اور پورے علاقہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ جنگ تیسرے دن میں داخل ہوگئی۔ حضرت حافظ ضامن صاحبؒ اس میں شہید ہوگئے، ان کی شہادت کے بعد مجاہدین کے دل ٹوٹ گئے۔ انگریز آزادیٔ وطن کے متوالوں کو ایک ایک کرکے نشانہ بنانے لگے۔

انگریزوں نے اپنی پیاس بجھانے کے لیے بے شمار ہندستانیوں کو موت کے گھاٹ اُتار دیا پھر بھی اس کے انتقام کی آگ ٹھنڈی نہ ہوئی۔ ایک غیر سرکاری رپورٹ کے مطابق مئی ۱۸۵۷ء سے نومبر ۱۸۵۷ء تک صرف ۶ ماہ میں دو لاکھ کے قریب مسلمان شہید کیے گئے جن میں تقریباً ۵۷ ہزار علماء تھے۔ ان کے جسموں پر سور کی چربی مل کر انھیں زندہ آگ میں ڈال دیا گیا، ایسا اس لیے کیا گیا کہ انھوں نے انگریزوں کے خلاف جہاد کا فتویٰ جاری کیا تھا۔

شاہ غلام بھولن سوہارویؒ، علامہ فضل حق خیر آبادی، مولانا لیاقت علی الٰہ آبادی وغیرہ کو کالا پانی کی سزا دی گئی۔ مولانا کفایت علی کافی، شاہ حسن عسکری گنگوہی اور ان جیسے بے شمار علماء کے ساتھ ساتھ راجہ ناہر سنگھ وغیرہ کو پھانسی کی سزا دی گئی، ان کا جرم صرف یہ تھا کہ وہ اس شیطان صفت مہمان کو وطن عزیز سے نکالنا چاہتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی میں کچھ ہتھیاروں کی کمی اور کچھ اپنوں کی غداری کی وجہ سے یہ حریت پسند مات کھا گئے مگر مذہب اور ملک کی حفاظت کی خاطر اپنی جانیں قربان کرکے اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہوگئے اور آنے والی نسلوں کو راستہ دکھا گئے کہ اے ہمارے ہم وطنوں! ہم تو وطن عزیز کے لیے قربان ہو چلے اب تم سب کی یہ ذمہ داری ہے کہ بہت جلد اپنی سرزمین پاک سے ان فرنگیوں کو باہر نکال دو۔

شاکر کرتپوری کا ایک شعر ان شہیدوں کی نذر:

ملے جو وقت تو تاریخ کو اُٹھا کر دیکھ
کسی سے کم نہیں قربانیاں ہماری بھی □□

یہ ہے قبولیت

اشعث ابن شعبہ مصیصیؒ کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ ہارون رشید اپنے لاؤ ولشکر کے ساتھ شہر ''رقہ'' میں مقیم تھے، اسی دوران امام وقت عبداللہ ابن المبارکؒ بھی ''رقہ'' میں رونق افروز ہوئے، ان کے استقبال کے لئے سارا شہر اُمڈ پڑا، بھیڑ کی کثرت کی وجہ سے راستے ٹوٹے ہوئے جوتوں اور چپلوں سے پٹ گئے، اور پورے شہر کی فضا گرد آلود ہوگئی، ہارون رشید کی ایک باندی شاہی محل کے جھروکے سے یہ منظر دیکھ رہی تھی، اس نے لوگوں سے پوچھا: یہ ماجرا کیا ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ آج خراسان کے ایک بڑے عالم عبداللہ ابن المبارکؒ نے اپنی تشریف آوری سے اس شہر کو رونق بخشی ہے، ان کی زیارت واستقبال کے لئے یہ عظیم مجمع اکٹھا ہوا ہے، باندی یہ سن کر بے اختیار بول اٹھی: ''اللہ کی قسم یہ ہے بادشاہت! ہارون رشید کی بادشاہت حقیقی نہیں جس کے لئے فوج اور سپاہیوں کے ذریعہ مجمع لگایا جاتا ہے''۔ جن عبداللہ ابن المبارکؒ کا یہ واقعہ ہے ان کی عظمت ورفعت صرف عوام ہی کے دلوں میں نہ تھی بلکہ ان کے بارے میں بڑے بڑے ہم عصر علماء اور محدثین نے ایسے شان دار کلمات ارشاد فرمائے ہیں جو اسلامی تاریخ میں خال خال افراد ہی کو نصیب ہوئے ہیں۔ سفیان ثوریؒ جیسے جلیل القدر محدث سے مروی ہے وہ کہتے تھے کہ ''میں پوری عمر اس آرزو میں رہا کہ کاش میری زندگی کا کوئی ایک سال عبداللہ ابن المبارکؒ کی طرح گذر جائے مگر میں تین روز بھی ان کی طرح گذارنے پر قادر نہ ہوسکا''۔ امام نسائیؒ کا بیان ہے ''ہمارے علم میں عبداللہ ابن المبارکؒ کے زمانہ میں کوئی ان سے زیادہ برتر، اور ان سے زیادہ اوصاف حمیدہ کا جامع نہیں تھا۔'' الغرض علماء سلف وخلف ان کی جلالت شان پر متفق ہیں اور ہر شخص دل سے ان کا احترام کرتا نظر آتا ہے۔

عبداللہ ابن المبارکؒ اور ان جیسے اپنے زمانہ کے مقبول ومحبوب علماء اور صلحاء کے حالات وواقعات دیکھ کر بعد کے لوگوں میں بھی یہ خواہش انگڑائی لیتی ہے کہ لوگ ان کا بھی اسی طرح احترام کریں جیسا عبداللہ ابن المبارکؒ وغیرہ کا کیا کرتے تھے۔ وہ جہاں بھی جائیں استقبال کے لئے لوگوں کی بھیڑ اُمڈ پڑے، وہ جو بھی زبان سے نکال دیں وہ پتھر کی لکیر بن جائے، اور ہر شخص دل سے ان کا مطیع اور تابع فرمان بن جائے۔ جب ابتداء ہی سے ہم اپنا ذہن یہ بنا لیتے ہیں تو جہاں بھی ہماری دلی خواہش کی تکمیل میں رخنہ پڑتا ہے تو ہم ناراض ہوجاتے ہیں، ہمارے چہرے کا رنگ متغیر ہوجاتا ہے اور دل ہی دل میں سخت اذیت محسوس ہوتی ہے مگر ان انفعالی کیفیات کے باوجود ہم مقبولیت کے مقام سے کوسوں دور رہتے ہیں، اس کی وجہ کیا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ہم نے اپنی زندگی کو پہلے ان صفات میں ڈھالا نہیں جن پر انسان کی مقبولیت کا مدار ہے۔ اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے کہ جس طرح بغیر سہارے کے کسی بلند چھت پر چڑھنا محال ہے اسی طرح چند لازمی صفات اختیار کئے بغیر مقام مقبولیت کی گرد پانا بھی مشکل ہے۔

ریاستہائے متحدہ امریکہ کا نظام حکومت (۲۸)

صدر یا اسپیکر: ایوان اپنا صدر منتخب کرتا ہے۔ وہ اکثریتی پارٹی کا نمائندہ ہوتا ہے اور ایوان کے جلسوں کی صدارت کرتا ہے۔ امریکن اسپیکر برطانوی اسپیکر سے بالکل مختلف ہوتا ہے۔ برطانیہ میں اسپیکر کو اتفاقِ رائے یا بلا مقابلہ دارالعوام کے لیے منتخب کیا جاتا ہے اور پھر اس کا انتخاب اسپیکر شپ یا صدارت کے لیے اتفاقِ رائے سے عمل میں آتا ہے۔ ریاستہائے متحدہ میں یہ بات نہیں ہوتی۔ وہاں اس ایوان کی اکثریتی پارٹی کا نمائندہ الیکشن کے ذریعے سے اسپیکر منتخب ہوتا ہے اور اسپیکر منتخب ہوجانے کے بعد اپنی پارٹی کی سرگرمیوں میں پوری پوری دلچسپی لیتا ہے۔ وہ پارٹی سیاست سے الگ نہیں ہوتا بلکہ اپنی پارٹی کی تائید میں ایوان میں تقریر کرتا ہے۔ قانون سازی کے سارے کام اس کی رہنمائی میں ہوتے ہیں۔ وہ ایوان کا لیڈر رہتا ہے۔ اس کے فرائض مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) وہ ایوان کے جلسوں کی صدارت کرتا ہے اور نظم وضبط قائم رکھتا ہے (۲) اس کی اجازت سے ممبر ایوان میں تقریر کرسکتے ہیں۔ (۳) وہ دستوری یا قانونی نکتوں (Point of Order) کا فیصلہ کرتا ہے۔ (۴) ہر مسئلے پر رائے شماری (Voting) کے فیصلے کا اعلان کرتا ہے۔

۱۹۱۱ء سے پہلے اسپیکر ہی ایوان کی مختلف کمیٹیوں کو مقرر کرتا تھا اور ان کمیٹیوں میں اپنے حامیوں کو بھر دیتا تھا۔ اس طرح سے ساری کمیٹیاں پورے طور سے اس کے اثر میں ہوتی تھیں۔ ضابطے یا قاعدے (Rules) کی کمیٹی کی چیئرمین کی حیثیت سے وہ ایوان کے ایجنڈے پر صرف وہی بل رکھتا تھا جنھیں وہ پاس کرانا چاہتا تھا۔ اس طرح سے وہ اپنی مرضی کے مطابق ایوان کے قانون بنواتا تھا لیکن ۱۹۱۱ء کے بعد سے یہ صورتِ حال ختم ہوگئی۔ اب خود ایوان کمیٹیوں کو مقرر کرتا ہے اور اب اسپیکر رولس کمیٹی کا چیئرمین بھی نہیں لیکن اب بھی اسے یعنی اسپیکر کو خاصے اختیارات حاصل ہیں۔

گاہے گاہے باز خواں......

ہفت روزہ الجمعیۃ ۱۶ سال پہلے

ماضی کے جھروکوں سے حال پر روشنی ڈالتے ہوئے مستقبل کا اشاریہ!

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی

۱۰ر تا ۱۶ر مارچ ۲۰۰۶ء

بیسٹ بیکری معاملہ میں ممبئی کی سیشن عدالت کا فیصلہ
مرکزی حکومت کا رول اب کیا ہوگا؟

۲۰۰۲ء کے گجرات فسادات کے معاملات میں بڑودہ شہر کی بیسٹ بیکری کا معاملہ بے حد بھیانک تھا جس کا فیصلہ ۲۰۰۶ء میں ہوا اور اکیس ملزمین میں سے نو کو عمر قید کی سزا سنائی گئی۔ اس پر ہفت روزہ الجمعیۃ کے مدیر تحریر ایم ایس جامعی نے ایک اداریہ سپردِ قلم کیا تھا جو حسب ذیل ہے۔

گجرات فسادات ۲۰۰۲ء ہندستانی تاریخ کا ایک سیاہ ترین باب ہیں خاص طور پر اس لیے بھی کہ ان فسادات کے بعد فساد کے متاثرین ومظلومین کو نہ صرف یہ کہ کوئی مناسب ومعقول معاوضہ نہیں دیا گیا بلکہ پولیس اور ریاستی انتظامیہ نے سازش کرکے انھیں انصاف سے بھی محروم رکھنے کی پرزور جدوجہد کی اور یہ کہنا کوئی مبالغہ نہ ہوگا کہ ریاستی حکومت پولیس اور انتظامیہ اپنی اس مذموم کوشش میں بڑی حد تک کامیاب بھی رہی۔ گذشتہ چار سالوں کے دوران آنے والے عدالتی فیصلے اور ان کے تحت سینکڑوں مجرموں اور قاتلوں کی رہائی اس کی واضح مثالیں ہیں۔ پولیس، انتظامیہ اور ریاستی حکومت کی جرائم پیشہ لوگوں کی سرپرستی کے نتیجہ میں سامنے آنے والے یہ عدالتی فیصلے ہی تھے جنھوں نے مسلمانوں کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا تھا کہ اب انصاف ان کے لیے مرچکا ہے اور انھیں عدالتوں سے بھی انصاف کی کوئی امید نہیں رہ گئی ہے مگر جادو جب سر چڑھ کر بولتا ہے تو تمام تدبیریں اُلٹی ہوجایا کرتی ہیں۔ فسادات کے مقدمات میں قاتلوں اور مجرموں کی ان کی رہائی پر خوشیوں کا رنگ ابھی پھیکا بھی پڑا تھا کہ ملک کی عدالت عظمٰی معاملہ کی تہہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئی۔ حقوق انسانی کمیشن اور بعض حقوق انسانی کا تحفظ کرنے والی تنظیموں کی درخواست پر سپریم کورٹ نے حکم جاری کردیا کہ جتنے مقدمات جن کی تعداد دو ہزار سے زائد تھی، ذیلی عدالتوں سے فیصل ہوچکے ہیں یا جن کی فائلیں بند کردی گئی ہیں۔ انھیں دوبارہ کھولا جائے سپریم کورٹ نے انصاف کا حصول یقینی بنانے کے لیے بڑودہ کی بیسٹ بیکری کے قتل عام کے معاملہ کو گجرات سے باہر ممبئی کی عدالت میں ٹرانسفر کردیا جس سے ثابت ہوگیا کہ ریاستی انتظامیہ کے دباؤ میں متاثرین کے لیے انصاف کا حصول ناممکن بن چکا تھا۔

گجرات کے بڑودہ شہر میں بیسٹ بیکری میں آگ لگا کر چودہ لوگوں کو زندہ نذرِ آتش کردیا گیا تھا۔ اس معاملہ کی سماعت کرنے والی ممبئی کی سیشن عدالت نے جو فیصلہ دیا ہے، وہ انصاف پر یقین رکھنے والوں کے یقین کو اور مضبوط کرے گا۔ عدالت نے ان ۲۱ ملزمان میں سے نو کو عمر قید کی سزا سنائی ہے، آٹھ کو پختہ ثبوت نہ ملنے کی وجہ سے بری کردیا ہے اور چار اب بھی فرار ہیں۔ اس کے ساتھ ہی کورٹ نے مودی حکومت کے نکمّے پن اور اس کی بے ایمانی پر بھی سوالیہ نشان لگایا ہے۔ ممبئی عدالت کے اس فیصلہ میں کئی اشارے پوشیدہ ہیں جو مستقبل میں فرقہ وارانہ فسادات میں ملوث لوگوں کے لیے سبق آموز ثابت ہوسکتے ہیں۔ اس حقیقت کو بہر حال نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ گودھرا سانحہ کے بعد گجرات میں ہوئے فرقہ وارانہ فسادات کے دوران پولیس تماشائی بنی رہی اور فسادیوں کو تباہی مچانے کے لیے پوری چھوٹ مل گئی۔ دوسرا یہ کہ گجرات کی عدالتیں فسادات کے متاثرین کو انصاف دینے میں ناکام رہی ہیں۔ یہ کیونکر ہوا۔ اس پر بحث ہوسکتی ہے اور بحث ہونا بھی چاہیے تاکہ مکمل سچ سامنے آسکے۔ یہ سچائی اپنی جگہ ہے کہ اگر قومی انسانی حقوق کمیشن اور دیگر حقوقِ انسانی کے تحفظ کی تنظیمیں گجرات عدالت کے فیصلے کے خلاف سپریم کورٹ نہیں جاتیں تو بیسٹ بیکری قتل عام کے مجرموں کو سزا نہیں مل سکتی تھی۔ اس سے سپریم کورٹ نے گجرات سے باہر مہاراشٹر میں مقدمہ کی سماعت کے لیے جو فیصلہ دیا تھا، اس کا مقصد بھی واضح ہوگیا ہے۔ اس فیصلہ کا تیسرا اشارہ یہ ہے کہ بیان بدلنے والے گواہوں کی بھی اب خیر نہیں ہے۔ بیسٹ بیکری قتل عام کی چشم دید گواہ ظہیرہ شیخ نے اپنے بیان کو بار بار بدلا تھا۔ اس سے سچ اور جھوٹ کی پہچان مشکل ہوگئی تھی۔ ظہیرہ نے ۲۷ر فروری ۲۰۰۳ء کو جب یہ مقدمہ بڑودہ کی ذیلی عدالت میں زیر سماعت تھا کہا تھا کہ ''میں نے خون سے بھرے ہوئے کپڑے احتیاط سے رکھے ہیں اور میرے ساتھ انصاف نہیں ہوا ہے مگر پھر اسی ظہیرہ نے ۱۷ر مئی ۲۰۰۳ء کو بڑودہ کی عدالت کو بتایا کہ ''میں نے ۹ر مارچ اور یکم اپریل ۲۰۰۲ء کو جو بیان پولیس کو دیا تھا، وہ جھوٹا ہے۔ قتل عام کی رات کافی اندھیرا تھا اور دھواں چاروں طرف پھیلا ہوا تھا اور اس کے سوا مجھے کچھ بھی یاد نہیں ہے۔'' اسی بیان کو بنیاد بنا کر بڑودہ کی عدالت نے سبھی ۲۱ ملزموں کو رہا کردیا تھا، جن میں بی جے پی کے ممبر اسمبلی مدھو سریواستو بھی شامل تھے۔ بہر حال حلف لے کر دیئے گئے بیان سے ظہیرہ اس کی ماں اور دو بھائیوں کے پلٹنے پر ممبئی کی عدالت نے سخت رُخ اختیار کرتے ہوئے نوٹس جاری کردیا ہے اور ان سے جواب مانگا ہے کہ دروغ گوئی کے الزام میں ان پر مقدمہ کیوں نہ چلایا جائے۔ اس معاملہ میں عدالت کا رُخ اتنا تو صاف ہے کہ ابھی قانون اتنا کمزور نہیں ہوا ہے کہ بااثر لوگ دولت اور دبدبہ اور ڈرا دھمکا کر قانونی نظام کی دھجیاں اُڑا سکیں۔ جس طرح بیسٹ بیکری قتل عام میں ممبئی کی عدالت نے فیصلہ دیا ہے، اسی طرح اُمید ہے کہ گجرات فساد کے دیگر معاملات میں بھی عدالت متاثرین کو انصاف دے گی اور امید کی جانی چاہیے کہ قانون کی آنکھوں میں اب دھول جھونکنا آسان نہیں ہوگا۔ غریب اور بے سہارا گواہوں کو ڈرا دھمکا اور خرید کر بیان بدلوانے کا کھیل اتنا آسان نہیں رہے گا، جتنا کہ ملزمین سمجھنے لگے ہیں۔ اس فیصلہ کا ایک اشارہ یہ بھی ہے کہ عدالتوں میں اب بااثر لوگوں کا دبدبہ کم ہوجائے گا۔ گجرات پولیس اور سرکاری وکیل کے رویے سے ممبئی کی عدالت نے جو رُخ اختیار کیا ہے، ایسا لگتا ہے کہ گجرات ہائی کورٹ بھی اب یہی رُخ اختیار کرے گا اور وہ بھی زیر سماعت مقدمات میں وہی طریقۂ کار اختیار کرے گا جو ممبئی کی عدالت نے کیا ہے جس سے انصاف پسند لوگوں کا یہ یقین اور پختہ ہوگا کہ انصاف کی جیت ہر حالت میں ہوگی اور متاثرین کو ضرور انصاف ملے گا۔ ممبئی کی سیشن عدالت نے مودی حکومت کے خلاف سخت ریمارک کرکے بھی انصاف کا بول بالا کردیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ اب جبکہ عدالت نے ریاستی انتظامیہ پولیس اور فرقہ پرستوں خاص طور پر نریندر مودی اور اس کے پالتو قاتلوں کی ملی بھگت کا پردہ فاش کردیا ہے۔ یوپی اے کی مرکزی حکومت کا کیا رول ہوگا۔ کیا منموہن حکومت اس فیصلہ کا نوٹس لے گی اور کیا مرکزی حکومت دفعہ ۳۵۶ کا استعمال کرتے ہوئے مودی حکومت کے خلاف کوئی کارروائی کرے گی؟ یہ چند ایسے سوالات ہیں جن کا جواب بہر حال سیکولرزم کے چاہنے والوں کو مطلوب ہے۔

ہمارے خیال میں بظاہر حالات مرکزی حکومت مودی حکومت کے خلاف کسی (باقی صــ۱۴ پر)

عالم اسلام

سعودی عرب میں خواتین ڈرائیوروں کی پہلی ریلی

سعودی عرب میں خواتین ڈرائیوروں کے لیے پہلی بار 'ریلی جمیل' کا انعقاد کروایا جارہا ہے جو منتظمین کے مطابق ۱۷ر سے ۱۹ر مارچ کے درمیان ہوگی۔ عرب نیوز کے مطابق یہ ریلی مملکت کے وژن ۲۰۳۰ء کے ترقی اور تنوع کے پروگرام کے اہداف کے تحت سے کروائی جارہی ہے جس کا تعلق خواتین کو بااختیار بنانے سے ہے۔ اس ریلی کو سعودی عرب میں ٹویوٹا گاڑیوں کے ڈسٹری بیوٹر عبداللطیف جمیل موٹرز کے دفتر میں لانچ کیا گیا تھا۔ کمپنی کے مارکیٹنگ کمیونی کیشن کے مینیجنگ ڈائریکٹر منیر خواجہ کا کہنا ہے کہ ہمیں ریلی جمیل کے لانچ پر فخر ہے، جو مملکت میں خواتین کے موٹر سپورٹس میں نئے معیار قائم کرے گی۔ ان کا مزید کہنا تھا کہ عبداللطیف جمیل موٹرز تاریخی طور پر سعودی آٹوموبائل اینڈ موٹر سائیکل فیڈریشن کے تحت شہزادہ خالد بن سلطان العبداللہ الفیصل کی زیر قیادت موٹر اسپورٹس کی بہت سی نمایاں تقریبات میں پیش پیش رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ۹۰۰ کلومیٹر کی ریلی تین روز پر مشتمل ہوگی جو حائل سے شروع ہوکر قسیم صوبے سے ہوتے ہوئے ریاض میں ختم ہوگی۔ ہرٹیم میں ایک خاتون ڈرائیور اور ایک اسسٹنٹ ہوں گے۔ اس میں صرف ۲۰ خاتون ڈرائیورز حصہ لے سکیں گی جنہیں آرگنائزنگ کمیٹی نامزد کرے گی۔ رجسٹریشن 'ریلی جمیل ڈاٹ کام' ویب سائٹ کے ذریعے کی جاسکتی ہے۔

مصر میں کورونا ویکسین نہ لگوانیوالے سرکاری خدمات سے مرحوم

مصر کی وزارت صحت کی جانب سے اعلان کیا گیا ہے کہ ملک میں رہنے والے تمام بالغ افراد کو کورونا ویکسین کی خوراک ہر صورت میں لینا ہوگی ورنہ انہیں صحت اور تعلیم کے میدان میں خدمات کے حق سے محروم ہونا پڑے گا۔ عرب نیوز کے مطابق مصر کی وزارت صحت کے ترجمان حسام عبدالغفار نے بتایا ہے کہ حکومت کے اس فیصلے کا اطلاق اٹھارہ سال سے زائد عمر کے تمام شہریوں پر ہوگا۔ قبل ازیں مصر کے تمام سرکاری محکموں میں ملازمین کو اپنے دفاتر میں جانے سے روک دیا گیا تھا اور انہیں کہا گیا تھا کہ کورونا ویکسین کی کم ازکم ایک خوراک لینے والے ہی دفاتر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ مصر میں قائم یونیورسٹیوں کی سپریم کونسل نے بھی اس بات کی تصدیق کی ہے کہ کورونا ویکسین کی خوراک نہ لینے والے اسٹوڈنٹس کو کسی بھی قسم کا امتحان دینے کے لیے یونیورسٹی کے کیمپس میں داخلے سے روک دیا جائے گا۔ سپریم کونسل کے ترجمان نے بتایا ہے کہ ایسے افراد جنہیں طبی بنیادوں پر کورونا ویکسین سے استثنٰی دیا گیا ہے ان کے لیے لازم ہے کہ ہر تین دن بعد پی سی آر ٹیسٹ کرائیں اور اس کی منفی رپورٹ فراہم کریں۔

ایران ہر سال خفیہ طریقہ سے درجنوں بچوں کو پھانسی دیتا ہے

انسانی حقوق کی ایک تنظیم نے کہا ہے کہ ایرانی حکومت عالمی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے ہر سال خفیہ طور پر درجنوں بچوں کو پھانسی دیتی ہے۔ عرب نیوز کے مطابق انسانی حقوق کے لیے سرگرم تنظیم 'ہیومن رائٹس ایکٹیوسٹس آف ایران' نے کہا ہے کہ اس وقت ۸۵ افراد کو ایسے جرائم میں سزائے موت کا سامنا ہے جو انہوں نے مبینہ طور پر بچپن میں کیے تھے۔ سالانہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ رواں برس اکتوبر تک ۲۹۹ کو پھانسی دے دی گئی ہے۔

مطلق العنانیت سے بڑھ کر کوئی وبا نہیں

تحریر: مائیکل جے ٹالمو
ترجمہ: محمد ابراھیم خان

دنیا بھر میں صدیوں سے وبائیں پھوٹتی اور ہلاکت کا بازار گرم کرتی رہی ہیں۔ اِن میں کچھ تو بالکل اصلی تھیں، جیسا کہ چودھویں صدی عیسوی کی طاعون کی وبا تھی اور بعض بالکل بے بنیاد اور جھوٹ پر مبنی بھی تھیں جیسا کہ گزشتہ برس کورونا وائرس کی وبا تھی۔

ایک وبا ایسی ہے جو کسی نہ کسی شکل میں وقتاً فوقتاً رونما ہوتی رہی ہے۔ کبھی اس نے چھوٹے پیمانے پر خرابیاں پھیلائیں اور کبھی بڑے پیمانے پر۔ کبھی اس نے جنگ عظیم دوم جیسی بھرپور تباہی پھیلائی اور کبھی کورونا ویکسین جیسی وبائیں آئیں، جن کے نتیجے میں ہوا کچھ زیادہ نہیں اور شور بہت مچایا گیا۔ مطلق العنان حکومتیں جبر واستبداد کے ذریعے کام کرتی ہیں۔ ان کے ادوار میں لوگوں کے سروں پر خون، موت اور بدعنوانی کی تلواریں لٹکتی رہتی ہیں۔ آمرانہ و جابرانہ حکومتیں عوام کو حقیقی احترام سے محروم کرکے ان کی راہ میں کانٹے بچھاتی ہیں۔ اب ویکسی نیشن کے ذریعے مطلق العنان حکومتیں ہم میں جینیاتی تبدیلیاں ممکن بناکر ہمیں انسان ہونے کے شرف سے بھی محروم کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔

کسی بھی معاشرے میں اکثریت کو دوسروں کی آزادی سلب کرنے اور جبر کے ذریعے اپنی بات منوانے کا شوق نہیں ہوتا۔ یہ تو چند ذہنی مریض ہی ہوتے ہیں جو تمام اختیارات اپنے ہاتھوں میں لے کر پورے معاشرے کو اپنی مرضی کے مطابق ہانکنا چاہتے ہیں۔ جو کچھ وہ چاہتے ہیں وہ صرف جبر کے ذریعے ممکن ہے۔ استبدادی ہتھکنڈے اختیار کرکے وہ لوگوں سے ان کی آزادی چھین لیتے ہیں۔ وہ بھرپور کرپشن پھیلاتے ہیں اور کرپشن ہی کے ذریعے اپنے طرف داروں کی تعداد بڑھانے میں کامیاب رہتے ہیں۔ مطلق العنانیت کی راہ پر گامزن ہونے والے ذہنی مریض دراصل پورے معاشرے کے لیے سرطان پھیلانے والے خلیوں کی طرح ہوتے ہیں۔ یہ پورے معاشرے کو کھوکھلا اور تباہ کرکے دم لیتے ہیں۔ انسانی جسم کم بیش ۳۰ ہزار ارب خلیوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ چند خلیوں میں جب خرابیاں پیدا ہوتی ہیں تو وہ باقی جسم سے مدد لے کر درست ہونے کے بجائے پورے جسم کو تباہ کرنے پر تل جاتے ہیں۔

ایک بڑا المیہ یہ ہے کہ معاشرے کو اپنی مرضی کے مطابق چلانے والوں کا ساتھ دینے والے بھی سامنے آکر ان سے مل جاتے ہیں۔ مطلق العنان حکمرانوں میں ان کے لیے بہت کشش ہوتی ہے، جو کسی نہ کسی طور بہت کچھ حاصل کرنے کے متمنی ہوتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ آمرانہ وجابرانہ انداز سے حکومت کرنے والوں کو کہیں نہ کہیں سے ساتھی اور طرف دار مل ہی جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے مطلق العنان حکمرانوں سے مل جانے سے معاشرہ بہت تیزی سے خرابی کی طرف جاتا ہے۔ اچھا خاصا پرامن معاشرہ دیکھتے ہی دیکھتے خرابیوں کے گڑھے میں جاگرتا ہے۔

سیاسیات کے ماہر ریوڈولف رمیل (۱۹۳۲ء تا ۲۰۱۴ء) نے سیاسیات کو 'ڈیموسائڈ' یعنی حکومت کے ہاتھوں لوگوں کا قتل کہا۔ رمیل نے حکومت کے ہاتھوں قتلِ عام سے متعلق ۸ ہزار رپورٹوں کا جائزہ لیا اور اس نتیجے پر پہنچے کہ بیسویں صدی کے دوران حکومتوں کے ہاتھوں ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۲۶ کروڑ ۲۰ لاکھ تھی، جو متعلقہ دور میں جنگوں میں ہلاک ہونے والوں کی تعداد سے ۶ گنا تھی اور اگر غیر ضروری جنگوں میں مارے جانے والوں کو شمار کیجیے تو معاملہ زیادہ سنگین ٹھہرتا ہے۔

پروفیسر رمیل کی تحقیق سے ثابت ہوا کہ آمرانہ اور مطلق العنان قسم کی حکومتوں کے تحت زیادہ ہلاکتیں واقع ہوتی ہیں۔ جہاں جوابدہی کا معیاری نظام کام کررہا ہو وہاں سیاسی تشدد بھی کم ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں ہونے والی اموات کی تعداد بھی خاصی کم ہوتی ہے۔ حکومت زیادہ طاقتور ہوجائے تو زیادہ خطرناک ہوتی ہے۔ چند افراد میں سیاسی قوت کا مرتکز ہوجانا روئے ارض پر خطرناک ترین معاملہ ہے۔

ایک اہم سوال یہ ہے کہ حکومتیں کس طور عوام کو اپنے جبر واستبداد کے ساتھ چلنے پر آمادہ کرتی ہیں۔ دوسرے امریکی صدر جان ایڈمز (۱۷۳۴ء تا ۱۸۲۶ء) نے کہا تھا کہ عوام کو نہ تو کسی بھی معاملے میں اتنا ڈرنا چاہیے کہ اپنی آزادی سے محروم ہونے پر آمادہ ہوجائیں اور نہ ہی کسی کی شائستگی سے نفسی طور پر مغلوب ہوجانا چاہیے کیونکہ انتہائی شائستگی محض منافقت اور بزدلی ہے۔ مطلق العنان حکومتیں اخلاقی سطح پر بدحواسی

یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بروں سے نجات کیلئے اپنی آزادی کو کسی بھی طور داؤ پر نہیں لگایا جاسکتا۔ آمر و جابر حکومتیں ریاست کے ہر فرد کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں کہ وہ تنِ تنہا کچھ نہیں کرسکتا اور یہ کہ کسی بھی بڑی مثبت تبدیلی کے لیے مل کر کوشش کرنے ہی سے دال گل سکتی ہے۔ اس حوالے سے کیا جانے والا پروپیگنڈا بسا اوقات اتنا طاقتور اور موثر ثابت ہوتا تھا کہ گزرے زمانوں میں لوگ ملک و قوم کی بھلائی کے لیے اپنی اولاد کو بھی دیوتا یا مہنت کے قدموں میں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

پھیلا کر اپنے مقاصد حاصل کرتی ہیں۔ ہر حکومت عوام کی بدحواسی کا بھرپور فائدہ اٹھاتی ہے۔ اس کے نتیجے میں حکومت کی طاقت بھی بڑھتی ہے اور آمدن بھی۔ لوگ اپنی آزادی سے ہاتھ دھونے اور اپنی روح کو شیطان کے ہاتھ فروخت کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ مطلق العنان حکومتیں مختلف طریقوں سے لوگوں میں بدگمانیاں پروان چڑھا کر ایک دوسرے پر اعتماد مجروح کرتی رہتی ہیں۔ اخلاقی برائیوں کے خلاف چلائی جانے والی تحریکوں کو بھی آمرانہ وجابرانہ حکومت اپنے مفاد میں استعمال کرتی ہیں۔

جابر حکومتیں انصاف کے نام پر انتقام کی ذہنیت کو پروان چڑھاتی ہیں۔ یہ بات یاد رکھنے کی ہے کہ بروں سے نجات کے لیے اپنی آزادی کو کسی بھی طور داؤ پر نہیں لگایا جاسکتا۔ آمر وجابر حکومتیں ریاست کے ہر فرد کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتی رہتی ہیں کہ وہ تنِ تنہا کچھ نہیں کرسکتا اور یہ کہ کسی بھی بڑی مثبت تبدیلی کے لیے مل کر کوشش کرنے ہی سے دال گل سکتی ہے۔ اس حوالے سے کیا جانے والا پروپیگنڈا بسا اوقات اتنا طاقتور اور موثر ثابت ہوتا تھا کہ گزرے زمانوں میں لوگ ملک وقوم کی بھلائی کے لیے اپنی اولاد کو بھی دیوتا یا مہنت کے قدموں میں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بہت سے کام حکومتیں ہی کرسکتی ہیں۔ ملک میں حقیقی ترقی و استحکام کے لیے بھرپور نوعیت کا بنیادی ڈھانچا کھڑا کرنا حکومت ہی کے بس کی بات ہے۔ عام آدمی اس گمان میں مبتلا رہتا ہے کہ وہ خود کچھ نہیں کرسکتا، حکومت سے مدد لیے بغیر چارہ نہیں۔ حکومتیں اِسی ذہنیت کا فائدہ اٹھاتی ہیں۔ کوئی کیا پہنے گا، کیا کھائے گا، کس طور زندگی بسر کرے گا، کس سے ملے گا، کس سے نہیں ملے گا، کیا پڑھے گا، گزر بسر کے لیے کیا کرے گا یہ سب کچھ حکومت کے طے کرنے کا کام نہیں۔ یہ ہر فرد کے اپنے معاملات ہیں جو اُس سے چھینے نہیں جاسکتے۔

فی زمانہ شخصی آزادی کا تصور بہت حد تک دھندلا گیا ہے۔ مغربی معاشرے نے شخصی آزادی کو غیر معمولی قرار دیا تھا۔ اس کے نتیجے میں وہاں ہر فرد اپنے وجود کو نمایاں کرنے کی دھن میں مگن ہوا مگر اب وہ دور لد چکا ہے۔ اجتماعیت کو انفرادیت سے کہیں اہم قرار دینے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے۔ شخصی شناخت سے کہیں زیادہ اجتماعی شناخت کی اہمیت جتائی جارہی ہے۔ معاشرے کی ہر بات ماننا اور اس کے رنگ میں رنگ جانا کسی بھی طور آزادی نہیں۔

کورونا کی وبا نے دنیا بھر کی جابر اور مطلق العنان حکومتوں کو نمایاں حد تک بے نقاب کردیا ہے۔ کورونا کی وبا نے آج دنیا بھر کے لوگوں کو انفرادی حیثیت میں شدید دباؤ کا شکار کردیا ہے۔ اس ایک وبا کے حوالے سے اتنی متضاد باتیں کہی گئی ہیں کہ کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس بات کو درست مانا جائے اور کس بات کو یکسر مسترد کردیا جائے۔ جن لوگوں نے کورونا سے بچاؤ کی ویکسین لگوائی ہے انہیں خبردار کیا جاتا ہے کہ جنہوں نے ویکسین نہیں لگوائی ہے ان سے بچیں، دور رہیں۔ سوال یہ ہے کہ اگر ویکسین کورونا سے بچاؤ کے لیے ہے تو موثر کیوں نہیں اور کیوں کورونا سے نہیں بچاسکتی۔ حقیقت یہ ہے کہ کورونا نام کی کوئی حقیقی وبا تھی، نہ ہے۔ کوئی ہنگامی حالت نہیں۔ ۲۰۲۰ء میں اموات کی شرح غیر معمولی نہیں رہی۔ اب لوگوں کو اندازہ ہورہا ہے کہ کورونا کا تو محض نام لیا جارہا ہے، معاملہ کچھ اور ہے۔ ایک جابر عالمی حکومت کے قیام کی کوششیں تیز تر ہوگئی ہیں۔ ایک بنیادی سوال یہ بھی ہے کہ اگر کورونا سے بچاؤ کی ویکسین میں کوئی ایسی ویسی بات نہیں تو پھر امریکہ میں ہزاروں ڈاکٹر، نرسوں اور پیرامیڈکس نے یہ لگوانے سے صاف انکار کیوں کیا۔ اگر ویکسین آپ ہی کو کورونا سے محفوظ نہیں رکھ سکی تو پھر ان سے کیا ڈرنا جنہوں نے ویکسین نہیں لگوائی؟ ۱۹۸۰ء کے عشرے میں اس وقت کے امریکی صدر آنجہانی رونالڈ ریگن نے ایسی پالیسیاں کیوں اپنائیں، جن کا بنیادی مقصد لبرل ازم کو سمیٹنا تھا۔ آج امریکی معاشرہ لبرل سے نیو لبرل ہوچکا ہے۔

ایک طرف تو معاشروں میں خرابیوں کا رونا رویا جارہا ہے اور دوسری طرف دولت کو چند ہاتھوں مرتکز رکھنے پر بھی زور دیا جارہا ہے۔ بل گیٹس اور وارن بفیٹ جیسے لوگوں کو بہت ہی بڑے پیمانے پر دولت جمع کرنے کا موقع مل گیا ہے۔ یہ سب کچھ بالکل غلط ہے۔ جبر اور دباؤ کے ذریعے کی جانے والی حکمرانی کے لیے بنیادی شرط یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز رہے تاکہ اسے کنٹرول کرنے میں زیادہ الجھن کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

آج دنیا بھر میں حکمرانی کے لیے جبر کو ناگزیر سمجھ لیا گیا ہے۔ اس کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ لوگ اپنی آزادی سے زیادہ سے زیادہ محروم ہوجائیں اور پھر انہیں کنٹرول کرنا زیادہ دشوار نہ رہے۔ بیشتر معاملات میں تصنع عمومی چلن ہوکر رہ گیا ہے۔ چند ممالک کو انتہائی مضبوط بنانے کی کوشش کی جارہی ہے اور اس حوالے سے عالمی اداروں نے خاصا نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ عالمی ادارۂ صحت نے کورونا ویکسین کے حوالے سے امتیازی نوعیت کا کردار ادا کیا ہے۔ بڑی اور مضبوط حکومتیں جو کچھ چاہتی تھیں وہ بخوشی کیا گیا ہے تاکہ ان کے ایجنڈے کی تکمیل ہو۔ کمزور ممالک اور خطوں کو دباکر، دبوچ کر رکھنے کی پالیسی کو خوب عملی جامہ پہنایا گیا ہے۔

ترقی یافتہ معاشروں کے طاقتور اداروں کو زیادہ سے زیادہ کمانے کی کھلی چھوٹ دے دی گئی ہے۔ کوئی انہیں روکنے والا نہیں۔ یہ ادارے اتنے طاقتور ہیں کہ کسی بھی حکومت کو چلتا کرسکتے ہیں اور کسی کو بھی اقتدار سے بہرہ مند کرسکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ دولت چند ہاتھوں میں مرتکز رہنے سے دنیا بھر میں غیر معمولی خرابیاں پیدا ہوئی ہیں۔ انتہائی مالدار افراد اور ادارے اپنے مفادات کو زیادہ سے زیادہ تقویت فراہم کرنے کے لیے سیاست دانوں اور بالخصوص حکومتی شخصیات کو خریدنے میں دیر لگاتے ہیں نہ بخل سے کام لیتے ہیں۔

دنیا کا مفاد اس امر میں پوشیدہ ہے کہ کوئی بھی حکومت اتنی طاقتور نہ ہو کہ چھوٹے ممالک سے کھلواڑ کرتے رہیں۔ انتہائی مالدار افراد اور اداروں کے لیے دولت کی حد مقرر کی جانی چاہیے۔ کاروباری ادارے درمیانے حجم کے ہونے چاہئیں۔ سرکاری مشینری کو رشوت دینے کی گنجائش نہیں ہونی چاہیے۔ اس بات کو بھی یقینی بنایا جانا چاہیے کہ کوئی بھی مالدار شخص یا ادارہ کسی سیاست دان یا حکومتی شخصیت کو رشوت نہ دے سکے۔ آج دنیا بھر میں حکومتیں مختلف سطحوں پر جبر و استبداد سے کام لے رہی ہیں۔ مطلق العنانیت کی بنیاد پر تمام معاملات کو اپنے ہاتھ میں لینے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے۔ □□

یو پی میں ہندو کارڈ کو متحد کرنے کیلئے مسلمانوں کے قتل عام کا سہارا

تحریر: سیّد فاروق احمد سیّد علی

بھارت کے انتہا اور شدت پسند ہندو دہشت گردوں کی گذشتہ دنوں ہری دوار میں ایک خصوصی میٹنگ یا اجلاس منعقد ہوا جس میں کھلے عام مسلمانوں کو قتل عام کی دھمکیاں دی گئیں اور نفرت انگیز تقاریر سے یہ واضح کیا گیا کہ ہندو دھرم کو مسلمانوں سے بہت خطرہ ہے۔ ہری دوار میں منعقد اس خطرناک دہشت گرد تنظیم کے اجلاس میں ہندو رکشا سینا کے صدر نے کہا کہ میں آپ کو بتاؤں گا کہ مسلمان کیا کیا تیاریاں کر رہے ہیں اور یہ بھی بتاؤں گا کہ انہیں کیسے کیسے قتل کرنا ہے اور یہی ہمارے اس مسئلے کا حل بھی ہے اور اگر آپ اس حل پر چلتے ہیں تو ہی ہم کامیاب ہو پائیں گے۔ سوشل میڈیا پر وائرل ہو رہی ہندو دہشت گردوں کی ویڈیو میں کھلے طور پر دیکھا جاسکتا ہے کہ سوامی پربودھانند سوامی کہہ رہا ہے کہ ہمیں اب تیاری کرنا ہی ہوگا ورنہ ہم اس ملک میں ختم ہو جائیں گے۔ سوامی نے کہا کہ میانمار میں ہندوؤں کی گردنیں کاٹ کر قتل کرنا شروع کر دیا گیا اور یہی نہیں بلکہ انہیں گلیوں میں کاٹ کر پھینکنے لگے پر کسی نے کچھ نہیں کیا۔ سوامی نے مزید کہا کہ اب معاملہ یہ ہے کہ یا تو اب مرنے کی تیاری کرو، یا مارنے کیلئے تیار ہو جاؤ، اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے۔ پربودھانند کی مسلم مخالف بیان بازی پہلی بار نہیں کی بلکہ ۲۰۱۷ء میں اس نے ایک وسیع پیمانے پر رپورٹ شدہ بیان جاری کیا جس میں ہندوؤں سے آٹھ بچے پیدا کرنے کا مطالبہ کیا گیا تھا تا کہ وہ ہندوتوا اور سماج کے تحفظ میں اپنا حصہ ڈالیں۔ اب ان کے لوگوں کو آٹو پ نہیں آتا تو اس میں ہمارا کیا قصور ہے۔ جبکہ ایک اور تقریر میں انہوں نے کہا کہ صرف مسلمان ہی ہندو خواتین کی عصمت دری کرتے ہیں۔ نفرت بھری تقریروں میں انتہا پسندوں کی جانب سے فوج اور پولیس کو بھی ساتھ دینے کو کہا گیا اور شہریوں کو ہتھیار خریدنے کی ہدایت بھی کی گئی، انھوں نے کہا کہ مسلمانوں سے زمینیں چھین کر بے دخل کیا جائے اور بھارت میں کرسمس اور عید منانے پر پابندی لگائی جائے۔ انتہا پسند ہندو تنظیم کے سرغنہ نے کہا کہ بیس لاکھ مسلمانوں کو قتل کرنے کے لیے سو ہندوؤں کی فوج ہی کافی ہے۔ ایک ہندو دہشت گرد خاتون رہنما نے کہا کہ چند سو ہندو اگر مذہب کے سپاہی بن کر بیس لاکھ مسلمانوں کو ہلاک کر دیں، ان کا قتل کر دیں تو وہ فاتح بن کر ابھریں گے۔ اس خاتون رہنما نے اپنی تقریر میں واضح کیا کہ ایسا کرنے سے ہندومت کی اصل شکل سناتن دھرم کو تحفظ فراہم کرنا ممکن ہوگا۔ اس خاتون مقرر نے ہندوؤں سے یہ بھی کہا کہ وہ مسلمانوں کو ہلاک کر کے جیل جانے سے مت گھبرائیں۔ ساتھ ہی اس نے لوگوں کو تلقین کی کہ وہ ناتھورام گوڈسے کو اپنا گرو مانیں، اس کے بتائے ہوئے راستے پر چلیں۔ میں واضح کر دوں کہ یہ ناتھورام گوڈسے وہی ہندو دہشت گرد تھا، جس نے ۱۹۴۸ء میں گاندھی جی کا قتل کیا تھا۔ ساتھ ہی ایک ہندو دہشت گرد نے کہا کہ کاش وہ مودی سے پہلے کے حکمرانوں کو ہلاک کر سکتے تو شاید اتنی پریشانی نہ ہوتی اور اگر میں سانسد ہوتا تو اس وقت کے وزیر اعظم کے سینے میں ناتھورام گوڈسے کی طرح گولیاں چلا کر ہلاک کر دیتا۔ میں آپ کو بتا دوں کہ اتراکھنڈ پولیس نے جتیندر نارائن سنگھ تیاگی، یعنی کہ جو پہلے وسیم رضوی کے نام سے جانا جاتا تھا اس کے اور دیگر ہندو دہشت گردوں کے خلاف ۱۷ر دسمبر کو مسلمانوں کے خلاف اشتعال انگیز تقریر کرنے کے الزام میں مقدمہ درج کر لیا ہے۔ لیکن ہمیں یہ اچھے سے پتہ ہے کہ صرف مقدمات درج ہوتے ہیں اور کچھ نہیں ہوتا۔ ہمیشہ کی طرح پھر کھلے عام وہی ہندو دہشت گرد دندناتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

دراصل یو پی کے الیکشن بالکل قریب ہیں ایسے میں بی جے پی اور آر ایس ایس کے پاس اب کوئی ایجنڈہ یا موضوع ایسا نہیں بچا ہے جس کی بنیاد پر نفرت انگیز ماحول تیار کر کے الیکشن کو جیتا جا سکے کیونکہ ہندو انتہا پسند جماعتیں صرف ہندو مسلم کر کے ہی الیکشن جیتنے کا کام ہمیشہ سے کرتی آئی ہیں۔ اب نہ ان کے پاس بابری مسجد کا موضوع بچا ہے اور نہ ہی کاشی اور متھرا کی مسجدوں کو گرمانے کا موقع ہیں کیونکہ دونوں کے تعلق سے کورٹ نے کوئی جواب دینے سے انکار کر دیا ہے۔ اب ایسے میں ان کے پاس صرف ہندو مسلم فسادات ہی ایک ایسا موضوع بچا ہے جس پر وہ الیکشن کو بھنا کر جیت حاصل کرنا چاہیں گے، اسی کو دیکھتے ہوئے مودی اینڈ کمپنی نے یہ وشوناتھ مندر کے احاطہ کا افتتاح انتہائی شاندار اور جاندار طریقے سے کر ڈالا۔

آپ نے دیکھا کہ کس طرح حال ہی میں وزیر اعظم نریندر مودی نے وارانسی میں وشوناتھ مندر کے نو تعمیر احاطہ کا افتتاح کیا۔ اس موقع پر گودی میڈیا نے انتہائی اعلیٰ درجے کی کوریج کی۔ پرسار بھارتی کے سی ای او ششی شیکھر نے مودی کے اس دورہ کے لیے ۵۵ کیمرے، ۷ سیٹلائٹ اپ لنک وین اور ڈرون سے لیکر کرین کی مدد سے ادھر سے ادھر کیے جانے والے بھاری بھرکم 'جمی جبس' کیمرہ سسٹم کا بھی انتظام کیا۔ ٹیلی پرامپٹر سہولت تو تھی ہی۔ بیشتر ٹیلی ویژن چینلوں نے انعقاد کو لائیو کور کیا اور اس لمحہ کو 'تاریخی' قرار دیتے ہوئے تعریف کے پل باندھ ڈالے کہ کس طرح ۸۰۰ کروڑ خرچ کر کے مندر کا نقشہ بدلا گیا۔

چاپلوسی اور رمکاری کی مثال پیش کرتے ہوئے رات ایک بجے وارانسی ریلوے اسٹیشن کے جائزہ سے لے کر گنگا میں غسل کرنے تک وزیر اعظم جہاں جہاں گئے ان کی تصویریں کھینچی گئیں، ویڈیو ریکارڈنگ کی گئی۔ اس موقع پر بارہ ریاستوں کے بی جے پی وزرائے اعلیٰ جمع ہوئے اور اس کے بعد سبھی ایودھیا کے لیے روانہ ہو گئے۔ وزیر اعظم کے اوپر گلاب کی پنکھڑیوں کی بارش کرنے کی ویڈیو اس کیپشن کے ساتھ سوشل میڈیا پر وائرل ہوئی کہ:

''اس شخص نے وہ کر دکھایا جو صدیوں سے کوئی نہیں کر سکا تھا۔ اسی لیے لوگ ان کا مہاراجہ کی طرح استقبال کر رہے ہیں۔''

تعریف کرنے والے اس بات پر حیران ہوئے جا رہے تھے کہ دسمبر کی ٹھنڈ میں ۷۱ سال کا کوئی انسان ندی میں ڈبکی کیسے لگا سکتا ہے؟ تو وہیں، کچھ ایسے بھی تھے جنھیں حیرانی اس بات پر ہو رہی تھی کہ چشمہ پہنے کیا کوئی ندی میں ڈبکی لگا سکتا ہے؟ کچھ ایسے بھی مودی کے ناقدین تھے جنھیں کوئی حیرانی نہیں ہو رہی تھی اور ایسے ہی ایک انسان نے سوال کیا: ''دورِ قدیم میں رومن بادشاہ کھیلوں اور آدمی کو آدمی یا مویشیوں سے لڑانے کا زبردست پروگرام کیا کرتا تھا، تا کہ لوگوں کا دھیان بھٹکا رہے اور وہ بغاوت نہ کریں۔ آپ کو کیا لگتا ہے، مودی جی یہ سب کیوں کر رہے ہیں؟'' لوگوں نے ان تصویروں کا بھی مذاق اڑایا جن میں وزیر اعظم بھگوان کو نہیں بلکہ کیمروں کی طرف دیکھتے نظر آرہے ہیں۔

ایک نے تبصرہ کیا ''کیمرے کچھ کو نشانہ بناتے ہیں جب کہ کچھ کیمرے کو نشانہ بناتے ہیں۔'' وزیر اعظم نے اسٹیشن پر ایک گھڑی کے سامنے تصویر کھنچوائی جس میں ڈائل رات کے ایک بجے کا وقت دکھا رہا تھا۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ دن میں اٹھارہ گھنٹے کام کرتے ہیں، جیسا کہ انھوں نے بار بار دعویٰ بھی کیا ہے۔ کسی نے تبصرہ کیا ''جب کہ وزیر اعظم کے حامی خوش ہیں، میری شکایت تو یہ ہے کہ کوئی بھی کیمرہ مین کی تعریف نہیں کرتا۔'' آخر اس نے بھی تو اٹھارہ گھنٹے کام کیا ہوگا۔ وزیر اعظم نے تعمیراتی مزدوروں پر پھولوں کی پنکھڑیاں برسائیں اور ان کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا جس کی بڑی تعریف کی جا رہی ہے۔ حامیوں نے اسے محبت سے بھرا ہوا پایا تو مخالفین نے اسے دوسری طرح سے دیکھا۔ ان کا دھیان بیٹھے لوگوں کے سامنے رکھے فلاسک اور تھالی پر گیا۔ وزیر اعظم کے سامنے فلاسک اور تھالی کو قرینے سے رکھا گیا تھا جب کہ مزدوروں کے سامنے یہ بے ترتیب تھے۔ ایسا لگتا تھا کہ کسی بھی مزدور نے اپنی تھالی کو چھوا بھی نہیں تھا، وہ ڈر سے جمے ہوئے نظر آرہے تھے۔

مودی جی کے پروگراموں کی اتنی تفصیل بتانے کا مقصد یہ ہے کہ مودی اینڈ یوگی کمپنی اب یو پی الیکشن کو لے کر گھبراہٹ کا شکار ہو چکی ہے کہ ان کے سیاسی اور چناوی ریلیوں میں بھیڑ جمع نہیں ہو رہی ہے انہیں بہت ہی مشقت اور محنت کرنی پڑ رہی ہے۔ کرایے پر لوگوں کو جمع کیا جا رہا ہے۔

کسان تو بالکل بھی قریب آنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ تفصیلات یہ بھی ملی ہیں کہ وزیر اعظم کے اجلاس میں منریگا مزدوروں اور اسکولی بچوں کی بھیڑ جمع کی جا رہی ہے۔ ویسے اسکولی بچوں کو تو ان کے اجلاس میں دیکھا جا سکتا ہے جو یونیفارم میں ہوتے ہیں۔ پھر بھی کرسیاں خالی رہتی ہیں اور وزیر اعظم کے خطاب کے دوران لوگوں کو اٹھ کر باہر جاتے دیکھا جا سکتا ہے۔ جبکہ اس کے برخلاف پرینکا گاندھی، اسد اویسی، اکھلیش یادو اور دیگر سیکولر جماعتوں کے لیڈران آدھی آدھی رات کے بعد بھی ریلیاں کر رہے ہیں اور پھر بھی ان میں بڑی تعداد میں لوگ موجود رہتے ہیں اور ان کے بھاشنوں کو سن رہے ہیں۔ اس لئے قصہ مختصر یہ کہ اب آر ایس ایس کی بی ٹیم یعنی کہ بی جے پی اب اپنے اصلی اوتار یعنی کہ دہشت گردی پر اتر آئی ہے جس کا پہلا چہرہ ہری دوار میں ہوئے پروگرام سے سامنے آ گیا ہے۔ جس کے لئے میں بھارت کے تمام مسلمانوں سے اور خصوصاً یو پی اور جہاں جہاں الیکشن ہونے والے ہیں ان علاقوں کے مسلمانوں سے درخواست کرنا چاہتا ہوں کہ بی جے پی کے اس ہتھکنڈے سے ہوشیار رہیں۔ وہ آپ کو تشدد کے لئے اکسانا چاہتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ آپ ان کے ہر حملے کا جواب دیں چاہے وہ زبانی ہی کیوں نہ ہوں اس لئے بڑی احتیاط کے ساتھ رہیں اتحاد و اتفاق کا دامن تھامے رکھے چاہے صرف الیکشن کی حد تک ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اگر آپ ان کے اکسانے پر تشدد کرنے پر آمادہ ہو گئے تو پھر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اگر آپ واقعی اس ملک سے ہندو دہشت گردوں کو اقتدار کی کرسی پر قابض ہونے سے روکنا چاہتے ہیں تو تدبر و تفکر کے ساتھ چالاکی ہوشیاری کے ساتھ سیاسی بازیگروں کی چالوں کو نہ صرف سمجھنے کی کوشش کریں بلکہ حکمت و تدبر کے ساتھ جمہوریت کے دائرے میں رہ کر منہ توڑ جواب دینے کی طاقت رکھیں۔ سوچ سمجھ کر ووٹ دیں۔ ماب لنچنگ، گائے کے نام پر قتل، داڑھی ٹوپی پہننے کے نام پر، رام کا نام اور جئے بھوانی اور جئے شیوانی کے نعرے نہ لگانے کے نام پر قتل کر دئے گئے مسلم بھائیوں کے چہروں کو یاد رکھ کر ووٹ دیں۔ اپنا بہتر مستقبل اور ماؤں بہنوں اور بیٹیوں کی حفاظت کے بارے میں سوچ کر ووٹ دیں۔ اللہ سے دعا ہے کہ اللہ سارے عالم کے مسلمانوں کی اور خصوصاً بھارت کے مسلمانوں کی ہر جانب سے ہر فتنہ وفساد اور شر سے حفاظت فرمائے۔ مسلمانوں کو شعور و آگہی عطا فرمائے۔ تدبر و تفکر عطا کرے اور ہم سب کا خاتمہ بالخیر فرمائے۔ ❑❑

وزیر اعظم کے اجلاس میں منریگا مزدوروں اور اسکولی بچوں کی بھیڑ جمع کی جا رہی ہے۔ پھر بھی کرسیاں خالی رہتی ہیں اور وزیر اعظم کے خطاب کے دوران لوگوں کو اٹھ کر باہر جاتے دیکھا جا سکتا ہے۔ جبکہ اس کے برخلاف پرینکا گاندھی، اسد اویسی، اکھلیش یادو اور دیگر سیکولر جماعتوں کے لیڈران آدھی آدھی رات کے بعد بھی ریلیاں کر رہے ہیں اور پھر بھی ان میں بڑی تعداد میں لوگ موجود رہتے ہیں اور ان کے بھاشنوں کو سن رہے ہیں۔ اس لئے اب آر ایس ایس کی بی ٹیم یعنی کہ بی جے پی اب اپنے اصلی اوتار یعنی کہ دہشت گردی پر اتر آئی ہے۔

عالمی خبریں

ایغور مسلمانوں کو نشانہ بنانیوالے چینی کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ تبدیل

چین نے سنکیانگ میں کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ کو تبدیل کر دیا ہے۔ خبر رساں ادارے روئٹرز کے مطابق چن کوئنگو نے کمیونسٹ پارٹی کے سربراہ ہونے کے دوران ایک سکیورٹی کریک ڈاؤن کی نگرانی کی تھی جس میں اویغور اور دیگر مسلمانوں کو مذہبی شدت پسندی کا مقابلہ کرنے کے نام پر نشانہ بنایا گیا تھا۔ چین کی سرکاری شین ہوا نیوز ایجنسی نے سنیچر کو کہا تھا کہ چن کوئنگو اس پوسٹ پر ۲۰۱۶ء سے تھے اور اب انہیں دیگر ذمہ داریاں سونپی جائیں گی جبکہ ان کی جگہ گوئنگ ڈنگ صوبے کے ۲۰۱۷ء سے گورنر رہنے والے ماشنگروی کو تعینات کیا جائے گا۔ اقوام متحدہ کے محققین اور انسانی حقوق کیلئے کام کرنے والے کارکنان نے اندازہ لگایا ہے کہ دس لاکھ سے زائد مسلمانوں کو مغربی چین میں سنکیانگ میں محصور کیا ہوا ہے۔ چین نے ان مظالم کے الزامات کی تردید کی ہے اور ان کیمپوں کو پیشہ ورانہ ٹریننگ کے مراکز قرار دیا ہے، جو چینی حکام کے مطابق دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کی غرض سے بنائے گئے ہیں۔ چین کے حکام نے ۲۰۱۹ء کے اواخر میں کہا تھا کہ ان کیمپوں سے تمام افراد فارغ التحصیل یا گریجویٹ ہو گئے ہیں۔

کتوں کی تربیت پر بحث اتنی بڑھی کہ عورت نے عورت کو کاٹ لیا

جرمنی میں دو خواتین کے مابین پالتو کتوں کی تربیت کے موضوع پر شروع ہونے والی بحث باقاعدہ لڑائی کی شکل اختیار کر گئی۔ پولیس نے بتایا کہ یہ واقعہ مشرقی جرمن ریاست تھیورنگیا کے چھوٹے سے شہر آئزیناخ میں پیش آیا۔ ایک ستائیس سالہ خاتون اپنے پالتو کتے کے ساتھ ایک پارک میں سیر کر رہی تھی کہ اس نے دیکھا کہ ایک اکاون سالہ خاتون نے، جو خود بھی اپنے پالتو کتے کے ساتھ اسی پارک میں سیر کر رہی تھی، اپنے کتے کو پیٹنا شروع کر دیا۔ اس پر نوجوان خاتون نے اپنے سے زیادہ عمر کی خاتون کو مخاطب کر کے اسے اپنے کتے کو پیٹنے سے روکنے کی کوشش کی تو دونوں خواتین کے مابین بحث شروع ہو گئی۔ ۲۷ سالہ خاتون کا کہنا تھا کہ ۵۱ سالہ خاتون کو اپنے کتے کی تربیت کے لیے اسے پیٹنا نہیں چاہیے۔ بڑی عمر کی خاتون کا اصرار تھا کہ کتا اس کا اپنا ہے اور وہ جانتی ہے کہ اس کی تربیت کیسے کی جانی چاہیے۔ یوں دیکھتے ہی دیکھتے یہ بحث باقاعدہ لڑائی کی شکل اختیار کر گئی، لڑتے لڑتے بڑی عمر کی خاتون زمین پر گر گئی اور اس نے اپنے دانت اپنی کم عمر حریف کی پنڈلی میں گاڑ دیے، جس سے وہ زخمی تو ہو گئی مگر زمین پر گری ہوئی خاتون کو ٹھڈے مارتی رہی۔

امریکہ: کورونا کا قہر اب بچوں پر

نیویارک اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ آف ہیلتھ نے متنبہ کرتے ہوئے کہا کہ کووڈ-۱۹ سے متاثرہ بچوں کے اسپتالوں میں داخل ہونے کی شرح بڑھ گئی ہے۔ کورونا وائرس کا اومیکرون ویریئنٹ اب بچوں پر قہر برپا کرنے لگا ہے۔ دنیا بھر میں دہشت کا ماحول ہے۔ امریکہ میں اس کا اثر دکھائی دینے لگا ہے۔ نیویارک میں بچوں کے اسپتال میں داخل ہونے کے معاملے تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔ محکمہ صحت کے افسران کے مطابق اومیکرون کے معاملوں میں اضافہ کے ساتھ اسپتال میں داخل ہونے والے بچوں کی تعداد میں تیزی آئی ہے۔ بیان میں کہا گیا ہے کہ نیویارک شہر میں اٹھارہ سال تک کے بچوں کے اسپتال میں داخل ہونے کی شرح چار گنا بڑھ گئی ہے۔ یہ تیزی ۵ر دسمبر سے شروع ہوئے ہفتے کے درمیان آئی۔

انسانی اعمال اور اس کے اثرات

قرآن وسنت کی روشنی میں

تحریر: مولانا محمد واضح رشید ندویؒ

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو ایک نظام کے مطابق بنایا اور وہ اس نظام کے مطابق اپنے خالق کے حکم سے دائر وسائر ہے، اس میں اگر کبھی کوئی تبدیلی ہوتی ہے یا انسانوں کے اندازے اور علم کے خلاف ہوتا ہے جو انسان کے تدبر اور تجربہ سے حاصل ہوا ہے تو وہ تبدیلی بھی خدا کے حکم سے ہوتی ہے، وہ خود سے نہیں ہوتی اس لیے کہ خدا نے اس نظام کو بنا کر اس طرح آزاد نہیں چھوڑ دیا کہ وہ اپنے نظام کا پابند ہوکر کام کرے بلکہ پورا نظام خدا کے ہاتھ میں ہے۔ زندگی اور موت، صحت اور علالت، قوت اور ضعف، ان سارے حالات میں جو تبدیلی ہوتی ہے وہ خدا کے حکم سے ہوتی ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے: ’’اے بادشاہی کے مالک! تو جس کو چاہے بادشاہی بخشے اور جس سے چاہے بادشاہی چھین لے اور جس کو چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کرے، ہر طرح کی بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے اور بیشک تو ہر چیز پر قادر ہے، تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے اور تو ہی بے جان سے جاندار پیدا کرتا ہے اور تو ہی جاندار سے بے جان پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے بے شمار رزق بخشتا ہے۔‘‘ (آل عمران: ۲۵-۲۷)

خالق کائنات نے اپنے بھیجے ہوئے انبیاو رسل کے ذریعہ اور اپنی اتاری ہوئی کتابوں کے ذریعہ اس نظام میں بعض تبدیلیوں کے اسباب و عوامل اور بعض انسانی اعمال کے نتائج جو اس دنیا میں ظاہر ہوتے ہیں بیان فرمادیئے ہیں۔ انسانی زندگی میں اس کا تجربہ ہوتا ہے اور روحانی ذہن رکھنے والے حالات وواقعات کے محرکات تک پہنچنے میں دشواری محسوس نہیں کرتے، اس لیے ان کو غیر متوقع پیش آنے والے واقعات پر تعجب نہیں ہوتا، وہ ان کو اعمال کا نتیجہ سمجھتے ہیں اور اپنا احتساب کرتے ہیں اور ان کوتاہیوں کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں جن کو ان واقعات کا سبب سمجھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے جس طرح مادّی چیزوں میں خاصیتیں رکھی ہیں اسی طرح اعمال انسانی میں بھی اثرات رکھے ہیں، اچھے اعمال کا اثر خیر اور برے اعمال کا اثر شر کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔ سورہ شوریٰ میں ہے: ’’اور جو مصیبت تم پر واقع ہوتی ہے تو تمہارے اپنے فعلوں سے اور وہ بہت سے گناہ تو معاف ہی کردیتا ہے۔‘‘

احادیث شریفہ میں اعمال کے اثرات کو بہت تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ موسم میں اگر ذرا بھی تبدیلی ہوتی، ہوا تیز ہوجاتی یا بادلوں کا ہجوم ہوجاتا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لے جاتے تھے اور دعا میں مشغول ہوجاتے تھے اس لیے کہ بادل، ہوا جو اس نظام کو چلانے کے لیے ضروری ہیں وہی اس نظام کو توڑنے کا کام کرنے لگتے ہیں، جب ان کے مالک کا حکم ہوتا ہے۔ طائف میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جب سخت اذیب پہنچی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو دعا فرمائی اس میں سب سے زیادہ اس بات کا اظہار ہے کہ انھیں یہ تکلیف خدا کی ناراضگی کی وجہ سے تو نہیں پہنچی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر یہ ناراضگی کی وجہ سے نہیں ہے تو مجھے اس کی پرواہ نہیں، میں تیری رضا حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہوں گا، یہاں تک کہ تو راضی ہوجائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’الٰہی اپنی کمزوری، بے سروسامانی اور لوگوں میں تحقیر کے بابت تیرے سامنے فریاد کرتا ہوں، تو سب رحم کرنے والوں سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، درماندہ اور عاجزوں کا مالک تو ہی ہے اور میرا مالک بھی تو ہی ہے، مجھے کس کے سپرد کیا جاتا ہے، کیا بیگانہ ترش رو کے یا اس دشمن کے جو کام پر قابو رکھتا ہے، اگر مجھ پر تیرا غضب نہیں تو مجھے اس کی پرواہ نہیں لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ وسیع ہے، میں تیری ذات کے نور سے پناہ چاہتا ہوں جس سے سب تاریکیاں روشن ہوجاتی ہیں اور دنیا ودین کے کام اس سے ٹھیک ہوجاتے ہیں کہ تیرا غضب مجھ پر اترے یا تیری نارضامندی مجھ پر وارد ہو۔ مجھے تیری ہی رضامندی اور خوشنودی درکار ہے اور نیکی کرنے یا بدی سے بچنے کی طاقت مجھے تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔‘‘

اللہ تعالیٰ نے آگ اور پانی میں خواص رکھے ہیں لیکن یہ خواص بدل جاتے ہیں جب ان کے مالک کا حکم ہوتا ہے۔ انسان کا علم صرف ان کے خواص کے بارے میں اپنے تجربہ کے اعتبار سے ہے لیکن تاریخ میں کئی بار انسان کی خدمت پر ماموریہ عناصر انسان کے لیے ہلاکت کا سبب بن چکے ہیں۔

انسان اپنی سہولت و راحت کے لیے جو وسائل مسخر کرتا ہے وہی وسائل اس کی ہلاکت یا پریشانی کا باعث بن جاتے ہیں۔ اس لیے اسلام جو دین ودنیا کی جامعیت کے عقیدہ کا حامل ہے اور وہ زندگی اور اس کی آسائشوں سے پوری طرح فائدہ اُٹھانے اور ان کو بہتر بنانے کی دعوت دیتا ہے اس کی تعلیم دیتا ہے کہ ہر وقت نظر خالق کائنات اور اس کی رضا کے حصول پر ہونی چاہیے اور زندگی اس کے بتائے ہوئے طریقہ پر گزارنی چاہیے۔

اس کے استحضار کے لیے قرآن وحدیث میں دعائیں بیان کی گئی ہیں اور اولیاء اللہ کے معمولات میں وہ مذکور ہیں۔ ان دعاؤں سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسلام دوسرے مذاہب کی طرح غاروں میں رہنے اور زندگی سے منقطع رہنے کا مذہب نہیں ہے، بلکہ ایک مسلمان کو کائنات کے مختلف حالات اور تعلقات سے سابقہ پڑسکتا ہے، وہ سفر میں ہوسکتا ہے اور وہ گھر والوں کے ساتھ بھی رہ سکتا ہے اور اجنبی لوگوں سے بھی اس کو سابقہ پڑسکتا ہے، اس کو مختلف موسموں، مختلف انسانوں اور نفس کے مختلف تقاضوں سے سابقہ پڑ سکتا ہے۔ اس کو نہ انقطاع عن الخلق کی دعوت دی گئی ہے، نہ ایک جگہ قیام کی، نہ نفس کے تقاضوں اور طبعی میلانات کو مطلقاً کچلنے اور نفس کشی کی جسے رہبانیت کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اس لیے مختلف حالات اور نظام کائنات کے مختلف تغیرات کے لیے دعائیں مقرر کی گئی ہیں۔

سفر شروع ہو تو کیا دعا پڑھی جائے، سواری پر کیا عا پڑھی جائے اور اگر کوئی خطرہ پیش آئے تو کیا دعا پڑھی جائے، اگر حالات سازگار نہ ہوں تو کیا دعا پڑھی جائے۔ کھانے پینے میں بھی فوائد اور خطرات ہیں یہاں تک کہ چھینک جو راحت کا سبب ہے اور خطرہ کا بھی باعث بن سکتی ہے اس حالت میں کیا دعا پڑھی جائے۔ اچھا لباس پہنتے وقت کیا دعا پڑھی جائے اس لیے ہ اس میں بھی اچھے اور برے پہلو پائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کسی عمارت میں داخل ہوتے وقت اور نکلتے وقت، قضائے حاجت کے لیے جاتے وقت اور واپسی کے وقت دعائیں مخصوص ہیں۔ یہاں تک کہ علم حاصل کرتے وقت بھی اس کا استحضار ضروری ہے کہ علم نافع بھی ہے اور علم ضار بھی، علم اصلاح کا بھی ذریعہ ہے اور علم فساد کا بھی ذریعہ ہے، اسی طرح حکومت اور جاہ وسطوت کے حصول کے وقت کی یہ خدا کی طرف سے عطا کیے گئے ہیں اور یہ اگر اللہ کے حکم کے مطابق استعمال ہوں گے تو مفید ہوں گے اور اگر اس میں کوئی انحراف ہوا تو مضر ہوں گے۔ ہر حالت کے لیے دعائیں کتابوں میں محفوظ ہیں، ان میں اللہ سے عافیت، صلاح اور اس کی رضا کے حصول کی دعا کی جاتی ہے اور اس کے غضب سے پناہ مانگی جاتی ہے۔□□

بچوں کا جنسی استحصال

سرپرستوں کی بیداری سے ہی رکے گا

خواتین پر جنسی حملے پہلے بھی ہوتے رہے ہیں لیکن اُن کی تعداد کم تھی اب اُن کی تعداد بڑھ رہی ہے، نہ جانے کتنی وارداتیں ایسی بھی ہوں گی جو منظر عام پر نہیں آتیں کیونکہ سماج میں بدنامی کے خوف سے انہیں ظاہر نہیں کیا جاتا، ہمارے معاشرہ کا حال یہ ہے کہ جب اس سلسلے کی کوئی سنگین واردات سامنے آتی ہے تو اس پر چیخ پکار ہوجاتی ہے، بعد میں لمبی خاموشی اوڑھ لی جاتی ہے، نہ اِس کی وجہ پر توجہ دی جاتی ہے، نہ علاج اور احتیاطی تدابیر اختیار کی جاتی ہیں۔ اب تو کمسن بچوں پر بھی جنسی حملے بڑھ گئے ہیں اور آس پاس کے قریبی لوگ ہی اس میں زیادہ ملوث نظر آتے ہیں۔ کمسن لڑکیوں کے ساتھ لڑکوں کا جنسی استحصال مرض کی شدت کا احساس کرانے کے لئے کافی ہے لیکن تجربہ یہ بتاتا ہے کہ جس پر یہ مصیبت پڑتی ہے، وہی بلبلاتا ہے، باقی تماشائی بنے رہتے ہیں اور انہیں اِس آگ کا احساس نہیں ہوتا جو کل ان کے گھر کو بھی جلاسکتی ہے۔

ان کے بچے عام طور پر محلّہ بازاروں میں اکیلے چلے جاتے ہیں یا گھریلو ملازموں کے ساتھ پارک اور دوسرے تفریحی مقامات پر گھومتے پھرتے نظر آتے ہیں۔ ابھی دہلی شہر اور اس کے مضافات میں جس تسلسل کے ساتھ لڑکیوں اور بچوں پر جنسی حملوں کے واقعات سامنے آئے ہیں، اُن کے بعد یہ ناگزیر ہوگیا ہے کہ بچوں کو اکیلا نہ چھوڑا جائے اور جب بھی وہ کھیلنے یا پاس پڑوس میں اشیاء وغیرہ لینے جائیں تو ان کے ساتھ ماں یا باپ میں سے کوئی ضرور ہو۔ یہاں تک کہ بچوں کے ساتھ جانے والے نوکر اور نوکرانیاں بھی ہمیشہ بھروسے مند ثابت نہیں ہوسکتے۔ اگرچہ حکومت نے بچوں کا جنسی استحصال (چائلڈ پورنوگرافی) اور بھارت میں بچوں کے آن لائن جسمانی استحصال کے مسائل سے نمٹنے کے لئے انٹرپول اور انٹرنیٹ واچ فاؤنڈیشن (آئی ڈبلیو ایف) جیسے بین الاقوامی اداروں کے ساتھ ہاتھ ملایا ہے اور ابھی تک ۳۵۲۲ ایسی سائٹس گزشتہ چار ماہ میں سپریم کورٹ کے حکم کے بعد بند بھی کی جاچکی ہیں، لیکن سماج میں موجود بچوں کے جنسی استحصال کرنے والے اکثر خاندان اور دوست احباب کے اندر ہی موجود ہوتے ہیں۔

واضح رہے کہ مذکورہ ویب سائٹوں پر پابندی میں حکومت کا موقف تھا کہ سپریم کورٹ نے چائلڈ پورنوگرافی مواد کی حامل ویب سائٹس تک لوگوں کی رسائی روکنے میں ناکامی پر تشویش ظاہر کی تھی، جس کے بعد فحش مواد کی حامل ویب سائٹس بند کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ تاہم ان ویب سائٹس کی بندش کے خلاف عدالت میں دائر کی جانے والی ایک درخواست کی سماعت کے دوران عدلیہ نے ویب سائٹس پر پابندی کی حکومتی ہدایات رد کردیں۔ عدالت کا کہنا تھا کہ وہ اپنے کمروں میں تنہا بیٹھ کر فحش مواد دیکھنے والے بالغوں کے حقوق کی خلاف ورزی نہیں چاہتی۔ جبکہ حکومت نے اِن ویب سائٹس کی بندش کے وقت کہا تھا کہ وہ ملک کی ثقافت کے تحفظ کے لئے یہ اقدام کر رہی ہے۔ اگرچہ ۲۰۱۲ء کے چائلڈ پروٹیکشن ایکٹ میں سخت سزاؤں کی تجویز ہے لیکن زیادہ تر والدین پولس کے پاس رپورٹ ہی نہیں کرتے۔ اس طرح مجرموں کو مزید وارداتیں انجام دینے کا موقع ملتا رہتا ہے۔□□

بچوں کا گوشہ

اتحاد میں طاقت ہے

پیارے بچو! ایک جنگل میں ایک بھورا بھالو رہتا تھا جو بہت اچھا تھا۔ جنگل کا ہر جانور اس سے بہت خوش رہتا تھا۔ اسی جنگل میں شہد کی مکھیوں نے بھی ایک بڑا چھتا لگا رکھا تھا۔ بھورا بھالو صبح سویرے ان شہد کی مکھیوں کو اپنے ساتھ لے جاتا اور رس والے پھول بتاتا۔ اس طرح روزانہ سویرے بھورا بھالو اور شہد کی مکھیاں سیر کو نکل جاتے، اس طرح ان کی دوستی پکی ہوگئی۔ ایک دن ایک کالا ریچھ جنگل میں گھس آیا۔ وہ روزانہ کم ازکم ایک جانور کھاجاتا۔ ایک دن اسی ریچھ نے شہد کی مکھیوں کا چھتا توڑ ڈالا کیونکہ اس وقت شہد کی مکھیاں چھتے میں نہیں تھیں جس کی وجہ سے ریچھ بچ گیا۔ کچھ دنوں بعد اس ریچھ کی دہشت پورے جنگل میں پھیل گئی۔ سبھی جانور پریشان تھے اور وہ اکیلے ریچھ کا مقابلہ نہیں کرسکتے تھے۔ یہ بات ان کی سمجھ میں آتے ہی سبھی جانور اس بات پر متفق ہوئے کہ ریچھ کا مقابلہ مل کر کریں گے۔ اب تمام جانور ریچھ کی اگلی حرکت کے منتظر تھے کہ ایک دن ریچھ پانی پینے ندی پر گیا۔ جب وہ پانی پی کر واپس آرہا تھا تو راستہ میں اسے بھورے بھالو کا گھر نظر آیا۔ وہ گھر میں داخل ہوا تو اسے گھر کے اندر کوئی نظر نہیں آیا۔ جب وہ باورچی خانہ میں گیا تو وہاں اسے سیب، کیلے اور امرود ملے۔ اس نے سارے پھلوں کو کھانے کے بعد بھورے بھالو کے گھر کو توڑنے کا فیصلہ کیا۔ ادھر شہد کی مکھیاں بھی ریچھ سے اپنا چھتا توڑنے کا بدلہ لینے کے لیے بیقرار تھیں۔ ریچھ کے ذریعہ چھتا توڑنے کے بعد شہد کی مکھیوں نے بھالو کے گھر کے سامنے اپنا نیا چھتا بنایا تھا۔ جب ریچھ بھورے بھالو کا گھر گرا کر واپس آرہا تھا تو اسے گھر کے سامنے شہد کا چھتا نظر آیا جسے دیکھ کر اس کے منہ میں پانی بھر آیا۔ اس نے اپنا نکیلا پنجہ مارا، اس وقت شہد کی مکھیاں اس ریچھ پر حملے کے لیے تیار تھیں۔ انھوں نے اس ریچھ پر ایسا حملہ کیا کہ وہ دم دبا کر بھاگ گیا۔ وہ بھاگتا رہا لیکن مکھیوں نے اس کا پیچھا نہیں چھوڑا اور مسلسل ڈنک مارتی رہیں۔ ریچھ جنگل سے نکل کر ایک دریا میں کود گیا۔ جب شام کو بھورا بھالو اپنے گھر آیا تو شہد کی مکھیوں نے اسے سارا واقعہ سنایا۔ وہ بہت ہنسا اور شہد کی مکھیوں کو اس کارنامے پر بہت داد دی۔ اب بھورے بھالو کے گھر کا مسئلہ تھا، سبھی جانوروں نے بھالو کا نیا گھر بنانے میں مدد کی جس سے ایک ہی دن میں اس کا پہلے سے زیادہ خوبصورت گھر بن گیا۔ سبھی جانوروں نے ایک بار پھر عہد کیا کہ آئندہ بھی وہ سب مل کر رہیں گے اور کسی بھی آفت یا پریشانی کا ڈٹ کر مقابلہ کریں گے۔ دیکھا بچو! شہد کی مکھیوں نے اتنے بڑے جانور ریچھ کو اپنے اتحاد سے مار بھگایا اس لیے کہا جاتا ہے کہ اتحاد میں بڑی طاقت ہے۔

گوشۂ خواتین

بچوں کی تربیت کی ذمہ داری والدین کے اوپر ہے (۳)

ہمارے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ انسان جس کا ذمہ دار اور رکھوالا ہے انھیں ضائع کردے یعنی ان کی تربیت نہ کرے۔

آج ہمارے معاشرہ میں سب سے زیادہ تعلیم وتربیت کی کمی پائی جاتی ہے جبکہ ساری خرابیوں کی اصلاح اسی ذریعہ سے ہوسکتی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہر محلّہ، گاؤں اور بستی میں مکاتب اور دینی اداروں کا انتظام کیا جائے۔ سب سے پہلے انھیں اللہ ورسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے حقوق، توحید، آخرت اور دین کے دیگر فضائل ومسائل بتائے جائیں اور اس قدر ان کا ایمان پختہ کردیا جائے کہ وہ کسی بھی ماحول میں جائیں، اپنے دین، اپنے مالک و خالق اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات وتعلیمات سے بیگانہ نہ رہیں اور انھیں آسانی کے ساتھ غیر اسلامی شعائر ورسوم کی طرف مائل نہ کیا جاسکے۔ وہ جہاں رہیں اپنے دینی و اسلامی تشخص کو باقی رکھ سکیں اور دوسروں کے سامنے اسلام اور اسلامی تعلیمات کا ایک مثالی عملی نمونہ پیش کریں۔

زمانہ بڑی تیزی کے ساتھ بدل رہا ہے اور ہر چہار جانب فتنے ہی فتنے ہیں، ایسے حالات میں دین کے خادموں اور داعیوں کی ذمہ داریاں بھی دوچند ہوجاتی ہیں کہ وہ نئی نسل کی فکر زیادہ سے زیادہ کریں اور انھیں لادینیت کے سیلاب میں بہہ جانے سے بچانے کی ہر ممکن کوششیں کریں۔ ایسا نہ ہو کہ وقت ہاتھ سے نکل جائے اور پھر افسوس کے علاوہ کچھ نہ ملے۔ نوجوان نسل کی تعلیم وتربیت آج کے ماحول میں سب سے زیادہ فکر انگیز کام ہے۔ جس کی خرابیاں ہر جگہ نظر آرہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کی حفاظت فرمائے، ہمیں فکر وعمل کی توفیق دے، اور اپنے دین حنیف کی خدمت کے لیے قبول فرمائے، آمین۔

صفحہ تحفظ ختم نبوت

قادیانی مسائل: سوال وجواب کی روشنی میں ۳

تحریر: مولانا ابوعمار محمد عبدالحلیم اطہر سہروردی

قادیانیوں کے ساتھ اشتراکِ تجارت اور میل ملاپ حرام ہے

سوال: کیا فرماتے ہیں علمائے کرام مندرجہ ذیل مسئلہ میں؟

قادیانی اپنی آمدنی کا دسواں حصہ اپنی جماعت کے مرکزی فنڈ میں جمع کراتے ہیں جو مسلمانوں کے خلاف تبلیغ اور ارتدادی مہم پر خرچ ہوتا ہے۔ چونکہ قادیانی مرتد کافر اور دائرۂ اسلام سے متفقہ طور پر خارج ہیں، تو کیا ایسے میں ان کے اشتراک سے مسلمانوں کا تجارت کرنا یا ان کی دکانوں سے خرید وفروخت کرنا یا ان سے کسی قسم کے تعلقات یا راہ ورسم رکھنا از روئے اسلام جائز ہے؟

جواب: صورتِ مسئولہ میں اس وقت چونکہ قادیانی کافر محارب اور زندیق ہیں اور اپنے آپ کو غیر مسلم اقلیت نہیں سمجھتے بلکہ عالم اسلام کے مسلمانوں کو کافر کہتے ہیں۔ اس لیے ان کے ساتھ تجارت کرنا، خرید وفروخت کرنا ناجائز وحرام ہے کیونکہ قادیانی اپنی آمدنی کا دسواں حصہ لوگوں کو قادیانی بنانے میں خرچ کرتے ہیں۔ گویا اس صورت میں مسلمان بھی سادہ لوح مسلمانوں کو مرتد بنانے میں ان کی مدد کر رہے ہیں لہٰذا کسی بھی حیثیت سے ان کے ساتھ معاملات ہرگز جائز نہیں۔ اسی طرح شادی غمی، کھانے پینے میں ان کو شریک کرنا، عام مسلمانوں کا اختلاط، ان کی باتیں سننا، جلسوں میں ان کو شریک کرنا، ملازم رکھنا، ان کے ہاں ملازمت کرنا یہ سب کچھ حرام بلکہ دینی حمیت کے خلاف ہے۔ فقط واللہ اعلم۔

قادیانی سے میل جول رکھنا

سوال: میرا ایک سگا بھائی جو میرے ایک اور سگے بھائی کے ساتھ مجھ سے الگ اپنے آبائی مکان میں رہتا ہے۔ محلّہ کے ایک کے گھر والوں سے شادی غمی میں شریک ہوتا ہے۔ میرے منع کرنے کے باوجود وہ اس قادیانی خاندان سے تعلق چھوڑنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ میں اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا ہوں اور الگ کرائے کے مکان میں رہتا ہوں۔ والد صاحب انتقال کر چکے ہیں۔ والدہ اور بہنیں میرے اس بھائی کے ساتھ رہتی ہیں۔ اب میرے سب سے چھوٹے بھائی کی شادی ہونے والی ہے، میرا اصرار ہے کہ وہ شادی میں اس قادیانی کو گھر مدعو نہ کریں۔ لیکن معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسا نہیں کریں گے۔ اب سوال ہے کہ میرے لیے شریعت اور اسلامی احکامات کی رو سے بھائیوں اور والدہ کو چھوڑنا ہوگا یا میں شادی میں شرکت کروں تو بہتر ہوگا۔ اس صورتحال میں جو بات صائب ہو اس سے براہِ کرم شریعت کا منشا واضح کریں۔

جواب: قادیانی مرتد اور زندیق ہیں اور ان کو اپنی تقریبات میں شریک کرنا دینی غیرت کے خلاف ہے۔ اگر آپ کے بھائی صاحبان اس قادیانی کو مدعو کریں تو آپ اس تقریب یں ہرگز شریک نہ ہوں ورنہ آپ بھی قیامت کے دن محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مجرم ہوں گے۔ واللہ اعلم!

مرزائیوں کے ساتھ تعلقات رکھنے والا مسلمان

سوال: ایک شخص مرزائیوں (جو بلا ریب بالاجماع کافر ہیں) کے پاس آتا جاتا ہے اور ان کے لٹریچر کا مطالعہ بھی کرتا ہے اور بعض مرزائیوں سے یہ بھی سنا گیا ہے کہ یہ ہمارا آدمی ہے یعنی مرزائی ہے مگر جب خود اس سے پوچھا جاتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ ہرگز نہیں بلکہ میں مسلمان ہوں اور ختم نبوت اور حیاتِ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ونزولِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مہدی علیہ الرحمہ، فرضیت جہاد وغیرہ تمام عقائد اسلام کا قائل ہوں اور مرزائیوں کے دونوں گروپوں کو کافر، کذاب، دجال، خارج از اسلام سمجھتا ہوں، تو کیا وجوہ بالا کی بنا پر اس شخص پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا؟

جواب: یہ شخص جب تمام اسلامی عقائد کا قائل ہے، اور مرزائیوں کو کافر ومرتد مانتا ہے تو اس کو مسلمان ہی سمجھا جائے گا۔ البتہ قادیانیوں کے ساتھ اس کا میل جول اور قادیانی لٹریچر کا مطالعہ کرنا غلط حرکت ہے، اس کو اس سے توبہ کرنی چاہیے۔

قادیانی کی دعوت اور اسلامی غیرت

سوال: ایک ادارہ جس میں تقریباً پچیس افراد ملازم ہیں اور ان میں ایک قادیانی بھی شامل ہے اور اس قادیانی نے اپنے احمدی (قادیانی) ہونے کا برملا اظہار بھی کیا ہے، اب وہی قادیانی ملازم اپنے ہاں بچے کی پیدائش کی خوشی میں تمام اسٹاف کو دعوت دینا چاہتا ہے اور اسٹاف کے کئی ممبران اس کی دعوت میں شریک ہونے کو تیار ہیں جبکہ چند ایک ملازمین اس کی دعوت قبول کرنے پر تیار نہیں کیونکہ ان کے خیال میں چونکہ جملہ قسم کے مرزائی مرتد، دائرۂ اسلام سے خارج اور واجب القتل ہیں اور اسلام کے غدار ہیں تو ایسے مذہب سے تعلق رکھنے والے کی دعوت قبول کرنا درست نہیں ہے۔ آپ برائے مہربانی قرآن وسنت کی روشنی میں اس کی وضاحت کریں۔ کسی بھی قادیانی کی دعوت قبول کرنا ایک مسلمان کے لیے کیا حیثیت رکھتا ہے تاکہ آئندہ کے لیے اسی کے مطابق لائحۂ عمل تیار ہو سکے۔

جواب: مرزائی کافر ہونے کے باوجود خود کو مسلمان اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو کافر اور حرامزادے کہتے ہیں۔ مرزا قادیانی کا کہنا ہے کہ میرے دشمن جنگلوں کے سور ہیں اور ان کی عورتیں ان سے بدتر کتیاں ہیں۔ جو شخص آپ کو کتا، خنزیر، حرام زادہ، کافر، یہودی کہتا ہو اس کی تقریب میں شامل ہونا چاہیے یا نہیں؟ یہ فتویٰ آپ مجھ سے نہیں بلکہ خود اپنی اسلامی غیرت سے پوچھئے۔

قادیانیوں کی تقریب میں شریک ہونا

سوال: اگر پڑوس میں زیادہ اہلسنّت والجماعت رہتے ہوں، چند گھر قادیانی فرقہ کے ہوں، ان لوگوں سے بوجہ پڑوسی ہونے کے شادی بیاہ میں کھانا پینا یا ویسے راہ ورسم رکھنی جائز ہے یا نہیں؟

جواب: قادیانیوں کا حکم مرتدین کا ہے، ان کو اپنی کسی تقریب میں شریک کرنا یا ان کی تقریب میں شریک ہونا جائز نہیں۔ قیامت کے دن خدا اور رسول ﷺ کے سامنے اس کی جوابدہی کرنا ہوگی۔

قادیانیوں کے گھر کا کھانا

سوال: قادیانی کے گھر کا کھانا صحیح ہے یا غلط ہے؟

جواب: قادیانی کا حکم تو مرتد کا ہے۔ ان کے گھر جانا ہی درست نہیں، نہ کسی قسم کا تعلق۔

قادیانی سے تعلقات

سوال: اگر کسی مسلمان کا رشتہ دار قادیانی ہو اور اس کے ساتھ تعلقات بھی ہوں تو اس کے ساتھ کھانے پینے، لین دین اور قرضے کی صورت میں کیا احکام ہیں؟ اور قادیانی عورت یا قادیانی مرد سے نکاح کرنا کیسا ہے؟ اور اگر زوجین میں سے ایک قادیانی ہو جائے تو دوسرے یعنی مسلمان کو کیا کرنا چاہیے اور ان کی بالغ اولاد کے بارے میں کیا حکم ہے کہ انھیں مسلمان کہا جائے گا یا قادیانی؟

جواب: قادیانی زندیق ومرتد ہیں، ان کے ساتھ کسی قسم کا تعلق رکھنا ناجائز ہے۔ قادیانی اور مسلمان کا باہمی نکاح نہیں ہوسکتا۔ اگر زوجین میں سے کوئی خدانخواستہ مرتد قادیانی ہو جائے تو نکاح فوراً فسخ ہو جاتا ہے۔ اولاد مسلمان کے پاس رہے گی۔

قادیانی سہیلی سے تعلق رکھنا

سوال: میری ایک بہت قریبی دوست ہے جو قادیانی ہے۔ جس وقت میری اس سے دوستی ہوئی تھی مجھے اس بات کا علم نہیں تھا۔ جب دوستی انتہائی مضبوط اور پختہ ہوگئی اور اس کے بعد کسی اور ذریعے سے مجھے یہ بات معلوم ہوئی۔ میری اس دوست نے مجھے خود بھی یہ بات نہیں بتائی اور کبھی دین کے مسئلہ پر کوئی بات بھی نہیں ہوئی۔ اب میری سمجھ میں کوئی بات نہیں آتی کہ کیا کروں؟ کیا اپنی اس قادیانی دوست سے تعلق ختم کرلوں۔

جواب: جی ہاں! اگر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق رکھنا ہے تو قادیانی سے تعلق توڑنا ہوگا۔

سوال: کیا قادیانیوں یا کسی غیر مسلم سے دوستی رکھنا جائز ہے؟

جواب: حرام ہے۔

سوال: قادیانی کافر ہیں یا مرتد؟

جواب: قادیانی مرتد اور زندیق ہیں۔ اس کے لیے میرا رسالہ ’قادیانیوں اور دوسرے کافروں کے درمیان فرق‘ ملاحظہ فرمائیں۔

قادیانی شادی میں شرکت کا حکم

سوال: کئی سال قبل ایک شادی میں شرکت کی تھی، کچھ عرصہ بعد معلوم ہوا کہ ماں باپ اور چند اعزا کی ملی بھگت سے وہ شادی غیر مسلم یعنی قادیانی سے کی گئی ہے۔ اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس شادی میں جو لوگ نادانستہ شریک ہوئے ان کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس لڑکی سے جو اولاد پیدا ہو رہی ہے اس کو کیا کہا جائے گا؟

جواب: جن لوگوں کو لڑکی کے قادیانی ہونے کا علم نہیں تھا وہ تو گنہگار نہیں ہوئے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ جن لوگوں کو علم تھا کہ لڑکی قادیانی ہے اور ان کو قادیانیوں کے عقائد کا علم نہیں تھا اس لیے ان کو مسلمان سمجھ کر شریک ہوئے، وہ گنہگار ہیں، ان کو توبہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے۔ اور جن لوگوں کو لڑکی کے قادیانی ہونے کا علم تھا اور ان کے عقائد کا بھی علم تھا اور وہ قادیانیوں کو غیر مسلم سمجھتے تھے مگر یہ مسئلہ معلوم نہیں تھا کہ مسلمان اور قادیانیوں کا آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا وہ بھی گنہگار ہیں، ان کو توبہ کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنی چاہیے۔ اور جن لوگوں کو لڑکی کے قادیانی ہونے کا بھی علم تھا اور ان کے عقائد بھی معلوم تھے، اس کے باوجود انھوں نے قادیانیوں کو مسلمان سمجھا اور مسلمان سمجھ کر ہی اس شادی میں شرکت کی وہ ایمان سے خارج ہوگئے، ان پر تجدید ایمان اور توبہ کے بعد تجدید نکاح لازم ہے۔ قادیانیوں کا حکم مرتد کا ہے، مرتد مرد یا عورت کا اس سے نکاح نہیں ہوتا اس لیے قادیانی لڑکی سے جو اولاد ہوگی وہ ولد الحرام شمار ہوگی۔

نوٹ: ان تمام مسائل کی تحقیق میرے رسائل قادیانی جنازہ، قادیانی مرتدہ اور قادیانی ذبیحہ میں دیکھ لی جائے۔ (جاری)

نسبتِ سلطانِ مدینہ

باسطؔ بھوپالی

اے صلِ علیٰ نسبتِ سلطانِ مدینہ
شاہوں سے بھی افضل ہیں گدایانِ مدینہ

رضوان ہر اک صاحبِ ایمانِ مدینہ
فردوس ہے اک گوشۂ دامانِ مدینہ

اے ذوقِ رسا فکرِ ثنا خوانِ مدینہ
ہر لفظ ہو شائستۂ عنوانِ مدینہ

کیا حسنِ دو عالم کی بہاروں کو وہ دیکھے
جس آنکھ نے دیکھا ہے گلستانِ مدینہ

آغوشِ محبت میں لیا روضۂ اطہر
ہر ذرۂ عالم پہ ہے احسانِ مدینہ

وہ خاک کہ اکسیر جسے کہتی ہے دنیا
ہے خاکِ کفِ پائے گدایانِ مدینہ

اس راہ میں صدقہ ہو اگر جان بھی باسط
مہنگا نہیں سودائے گلستانِ مدینہ

جمعیۃ علماء ہند کے نائب صدر حضرت الاستاذ مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ کی
حیات وخدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ دہلی کی
خصوصی اشاعت
مولانا ریاست علی ظفر بجنوریؒ نمبر
اپنی تمام تر خوبیوں، بہترین مضامین، شاندار طباعت اور دیدہ زیب ٹائٹل کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے۔
صفحات ۱۹۶ | سائز: ۲۳×۳۶/۸ | قیمت -/150
رابطہ: ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489

ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کی
خصوصی پیشکش
تحفظ ختم نبوتؐ نمبر
انشاء اللہ العزیز انتہائی آب وتاب کے ساتھ بہت جلد منظر عام پر آرہا ہے
مکمل تفصیلات آئندہ ملاحظہ فرمائیں
رابطہ: ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 09868676489 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

بہار - اُردو والوں سے دشمنی کیوں؟

رپورٹ: صفدر امام قادری

گزشتہ سولہ برسوں سے بہار میں نتیش کمار کی قیادت میں چند مہینوں کی حکومت کو چھوڑ دیں تو این ڈی اے حکمراں ہے اور ایک بڑا طبقہ تو یوں ہی جواب دے دیتا ہے کہ اقلیتوں کی آبادی کے مسائل کے حل کے لیے آخر این ڈی اے کی طرف کوئی کیوں آس لگائے بیٹھا ہے۔ اُردو سے متعلق بہار میں جو چھوٹے بڑے ادارے ہیں اور جنھیں سرکاری معاونت کسی نہ کسی جہت سے حاصل ہوتی ہے، ان کا برا حال ہے۔ بہار اُردو اکادمی نتیش کمار کی قیادت کے ان برسوں میں کام چلاؤ انداز میں ہی چلتی رہی ہے۔ سولہ برسوں میں صرف ایک بار ان کے زمانے میں جمہوری انداز سے اس کی تشکیل نو ہوئی، ورنہ کارگزار سکریٹریوں کو کسی محکمے سے کام چلاؤ طور پر بٹھا دیا جاتا ہے۔ اس کا فائدہ حکومت کو یہ ملتا ہے کہ اسے اپنے اسٹاف کو صرف تنخواہیں دینے کی ذمہ داری ہوتی ہے۔ اُردو آبادی کے لیے چار پیسے کی رقم بھی خرچ نہیں کرنی ہوتی ہے۔ نہ سیمینار ہوگا، نہ مشاعرے ہوں گے، نہ کتابوں پر انعامات دیئے جائیں گے۔ مسودات کے لیے کوئی معاونت ملے گی اور نہ نئی نئی اسکیموں پر عمل کر کے اُردو آبادی تک زبان کے مقبول عام کاموں کو پہنچایا جائے گا۔ ہر سال اسٹاف سبکدوش ہوتے گئے اور ان کی جگہ پر کوئی نئی تقرری نہیں ہوئی ہے۔ بجٹ کا یہ حال ہے کہ اتر پردیش، مغربی بنگال اور دہلی اُردو اکادمی پندرہ دن میں جتنی رقم خرچ کرسکتی ہے، بہار اُردو اکادمی اتنی رقم میں پورا سال گزارنے کے بعد کچھ بچا کر سرکار کے کھاتے تک پہنچا دیتی ہے۔ ان برسوں میں جیتن رام مانجھی جب وزیر اعلیٰ تھے، اس وقت بہار اُردو اکادمی کی ایک کمیٹی تشکیل پاسکی تھی اور جس نے کچھ بھولے بسرے ضروری کاموں کو انجام دیا مگر اس کی مدت کار کے ختم ہوئے بھی اب چار برس ہوگئے اور کارگزار سکریٹری اسٹاف کی تنخواہ تک رک گئی ہے۔ بہار میں اُردو مشاورتی کمیٹی صوبائی سطح کی کمیٹی تھی جسے دوسری سرکاری زبان کی حیثیت سے اُردو کے مسائل کو پیش نظر رکھنا تھا۔ نتیش کمار کے دورِ حکومت میں اوّلاً ممتاز شاعر کلیم عاجز کو اس عمر میں اس کی صدارت سونپی گئی جب ان کا چلنا پھرنا بھی مشکل تھا اور کمال یہ کہ نتیش کمار نے ان کی مدت کار میں توسیع بھی کی۔ مطلب صاف تھا کہ بہار کے ضلعوں میں جاکر وہاں کے اُردو عملوں کے مسائل کو سمجھنے اور عوامی توقعات کو سامنے رکھتے ہوئے حکومت سے جرح کرنے جیسے پیچیدہ اور جدوجہد بھرا کام وہ نہ کرسکیں، اس کا پورا انتظام کیا گیا۔ چار برس سے وہ عہدہ نہ صرف یہ کہ خالی ہے بلکہ مجلس عاملہ کے ارکان بھی ناپید ہیں اور پورے بہار میں اُردو کی ناانصافیوں کو مرکزی سطح پر حکومت تک پہنچانے والا کوئی دوسرا ادارہ نظر نہیں آتا۔ گورنمنٹ اُردو لائبریری کی مجلس عاملہ اور اس کے چیئرمین کو بھی حکومت مقرر کرتی رہی ہے، وہاں بھی سرکاری افسروں کے ذمہ سب کچھ ہے اور ادارے کی جمہوری ساخت فطری طور پر ختم ہوچکی ہے۔ انجمن ترقی اُردو بہار سے لے کر دہلی تک حکومت سے مزاحمت اور عوامی حقوق کے لیے سرگرم ہونے کا ادارہ نہیں ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہو رہا ہے کہ عوامی سطح پر بالخصوص بہار میں حکومت کی خوشامد سے آگے مسائل کے حل کا کوئی ٹھوس نظام قائم ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔

پرائمری اور مڈل اسکولوں میں اساتذہ کی کمی کے سوال پر جب مرکزی حکومت نے بہار سرکار پر سختی کی، اس کے بعد ۲۰۱۳ء میں اُردو اور بنگلہ ٹیچر اہلیتی امتحان منعقد کرنے کا فیصلہ لیا۔ اس زمانے میں ۲۷ ہزار اُردو اساتذہ کی آسامیاں مشتہر ہوئی تھیں۔ حکومت نے صوبائی سطح پر امتحان لے کر اس کے نتیجے نکالے پھر بہار اسکول ایگزمنیشن بورڈ اور ہائی کورٹ کے فیصلوں کے بہانے اس نتیجے پر نظر ثانی کی گئی اور بارہ ہزار سے زیادہ اُردو اور بنگلہ زبان کے ہونے والے اساتذہ کو کامیاب زمرے سے نکال کرنا کام بتادیا گیا اور اس کی قسمت کا تالا بند کردیا گیا۔ حکومت نے غلط سوال پوچھے تھے، دوسرا ماہرین نے غلط جواب تیار کیے تھے۔ افسران نے حکومت اور عدالت کو غلط اطلاعات فراہم کیں۔ مثالی جواب میں ردّوبدل اور تبدیلیاں کی گئیں۔ ایک لطیفہ تو اب بھی یاد ہے کہ سوال پوچھا گیا تھا کہ درج ذیل میں کون سا پھل ہے اور اس سلسلے میں جو مثالی جواب منتخب ہوا تھا وہ بیگن کا تھا۔ اسے ہی بہار اسکول ایگزامنیشن بورڈ، اس کے ماہرین اور ہائی کورٹ نے درست قرار دیا۔

مجھے یاد ہے کہ اس زمانے میں بہار سے باہر کے ہمارے احباب یہ پوچھتے رہے کہ کیا یہ سچ ہے کہ اہل بہار بیگن کو پھل سمجھ کر ہی استعمال کرتے ہیں؟ ہم ندامت وخجالت کے ساتھ خاموش ہوجاتے، حکومت بہار کا یہی فرمان تھا۔ اندازہ یہ ہوا کہ حکومت بہار نے نارمل اُردو اساتذہ یا ماہرین کو اس کام میں اس مقصد سے لگایا تھا کہ وہ غلطیاں کریں۔ پہلے سوال غلط ہو، پھر جواب غلط ہو، پھر عوام کے اعتراضات سامنے آئے۔ دو چار کمیٹیاں بنیں اور ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کا معاملہ آیا۔ سرکار کی منشا تھی کہ اُردو والوں کو ملازمت نہ ملے۔ کمال یہ ہے کہ حکومت اس میں کامیاب رہی۔

حکومت نے اُردو اساتذہ کے لیے ساٹھ فیصد نمبر کی قید لگائی جبکہ ۲۰۱۹ء تک ہندی یا عمومی اساتذہ کی جو تقرری ہوئی اس میں پچاس فیصد پر نتیجہ شائع کیا گیا اور وہ سب لوگ سرکاری تنخواہیں اُٹھا رہے ہیں۔ پورے بہار میں ہر ضلع میں پہلے کامیاب اور پھر ناکام کردیئے گئے بچے ایک طویل مدت تک حکومت اور اس کے اداروں سے قانونی جنگ لڑتے رہے۔ ہائی کورٹ، سنگل بنچ، ڈبل بنچ، سپریم کورٹ، سارے مراحل طے ہوگئے مگر وہ امیدوار سرکار کے ایک وزیر سے دوسرے وزیر اور دوسرے سے تیسرے وزیر تک دوڑ لگاتے رہے ہیں۔ انھیں کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ کئی کئی ہزار کی تعداد میں ایسے امیدوار وزیر تعلیم کا گھیراؤ بھی کرتے ہوئے نظر آئے۔ حکومت کی لاٹھیاں بھی برسیں، وعدے تو سب کے سب کرتے رہے مگر نتیجہ اب تک نہیں نکل سکا۔

چند برسوں سے نتیش کمار بہت چالاکی کے ساتھ منصوبہ بند طریقے سے ایک فارمولا پیش کررہے ہیں۔ وہ کھلے عام یہ بات کہتے ہیں کہ انھیں بہار میں مسلمانوں نے ووٹ نہیں دیا۔ پچھلے انتخاب میں جب وہ تیسرے درجے پر آگئے اور ان کی سیٹیں صرف ۴۴ رہ گئیں، اس کے بعد وزرا اور ان کے راگ میں راگ الاپنے والے حکومت کے اقلیت خوشامدیوں کی زبان پر یہ بات ہے کہ نتیش کمار یا این ڈی اے کو مسلم اقلیت نے ووٹ نہیں دیا۔ بہت ہوشیاری کے ساتھ یہ بات مسلمانوں کے بیچ خاص طور پر پھیلائی جارہی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ جوابی طور پر مسلمانوں کے کام کاج کو وہ کیوں کر اوّلیت دیں؟ اُردو ٹی ای ٹی کامیاب بارہ ہزار طلباء کی قسمت اسی فارمولے سے بندھ گئی ہے۔ نتیش کمار کو لگتا ہے کہ یہ بارہ ہزار امیدوار نہیں، اس سے لاکھوں کی تعداد میں اقلیتوں کا مستقل فائدہ ہوگا۔ جب نقطۂ نظر محدود ہو اور انصاف کا مزاج اور جمہوری حقوق کی پاسداری شامل حال نہ ہو تو ایسی بے انصافیاں رواج پاتی ہیں۔ بہار میں ایمان کی بات یہ ہے کہ حکومت میں شامل ایک بھی وزیر، چیئرمین یا ایم ایل اے اس موضوع پر ایک لفظ بولنا نہیں چاہتا۔ وہ دن دور نہیں کہ بے روزگاری سے مقابلہ کرتے، حکومت کے دروازوں پر دستک دیتے یہ نوجوان سب کرتب کرنے کے بعد کوئی ایسا اقدام نہ کرلیں کہ انسانیت دہل جائے۔ چار دس یا بیس بچے غصہ اور ناسمجھی میں خودسوزی کرنے کے لیے چوراہوں پر اتر آئیں، تب بھی کیا حکومت کی آنکھ نہیں کھلے گی۔ یوں بھی یہ نوجوان لاٹھیاں کھاتے کھاتے مضمحل اور بے جان ہورہے ہیں۔ اب ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہے۔ حکومت نہ جاگے گی تو شاید ایسا کچھ ہونے لگے کہ بہار میں بھونچال آجائے گا۔ ◻◻

اتر پردیش: خواتین کو با اختیار بنانا چاہتی ہے کانگریس

آبادی کے اعتبار سے ملک کی سب سے بڑی ریاست اتر پردیش میں کانگریس نے اکیلے چناؤ لڑنے کا اعلان کردیا ہے اور ریاست میں انتخابات کی تمام تر ذمہ داری پرینکا گاندھی نبھا رہی ہیں اور انھوں نے ہی یوپی انتخاب میں ۴۰ فیصد خواتین امیدوار کو اتارنے کا فیصلہ کیا ہے یعنی اگر یہ کہا جائے کہ یوپی چناؤ میں کانگریس کو جتانے کی اہم ذمہ داری خواتین کے کاندھوں پر ہوگی تو یہ غلط نہ ہوگا۔ کانگریس پارٹی نے اتر پردیش کے آئندہ اسمبلی انتخابات اپنے طور پر لڑنے کا فیصلہ کیا ہے اور پارٹی تمام ۴۰۳ اسمبلی سیٹوں پر امیدوار کھڑے کرے گی۔ پرینکا گاندھی نے گزشتہ دنوں لکھنؤ میں ایک بار پھر دہرایا کہ کانگریس ۴۰ فیصد خواتین امیدوار کھڑے کرے گی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ خواتین کو ووٹ بینک بنانے کی یہ حکمت عملی کتنا کام کرتی ہے۔ واضح ہو کہ پرینکا اس سے قبل ہی یہ نعرہ دے چکی ہیں کہ ”لڑکی ہوں، لڑسکتی ہوں“ جس کے بعد پرینکا کی ہر میٹنگ میں تقریباً یہ نعرے سننے کو ملتا ہے اور خواتین اسے دہراتی نظر آتی ہیں کہ ”لڑکی ہوں، لڑسکتی ہوں۔“

کانگریس کی جانب سے اسمبلی انتخابات سے قبل اتر پردیش میں خواتین کو با اختیار بنانے کی مہم زوروں سے شروع کردی گئی ہے۔ پارٹی کی خواتین ورکر انتخابات کے پیش نظر گاؤں گاؤں جاکر پارٹی کی خواتین کو با اختیار بنانے کی مہم کو آگے بڑھا رہی ہیں۔ پارٹی کی جنرل سکریٹری پرینکا گاندھی نے لکھنؤ میں خواتین کا منشور جاری کرتے ہوئے کہا کہ اس بار ان کی پارٹی کی ترجیح خواتین ہوں گی۔ ریاست میں پہلے سے ہی یہ چرچا چل رہی ہے کہ پارٹی اگلے اسمبلی انتخابات میں ۴۰ فیصد خواتین امیدواروں کو میدان میں اتارے گی۔ پرینکا گاندھی نے گزشتہ دنوں اعلان کیا کہ یوپی کے لیے پارٹی کے پہلے سو امیدواروں میں سے ۶۰ خواتین ہیں۔ خاتون پارٹی ورکر شمینہ شفیق ان سینکڑوں خواتین میں سے ایک ہیں جو پارٹی کی امیدوار بننا چاہتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ اس فیصلے نے پارٹی کے اندر اور باہر مردوں میں خوف و ہراس پیدا کردیا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ہر طرف خوف و ہراس ہے۔ نہ صرف باہر بلکہ ہماری تنظیم میں بھی۔ واضح رہے کہ کانگریس کے اس فیصلے کے بعد دوسری پارٹیاں بھی خواتین کو با اختیار بنانے کے بارے میں غور کرنے لگی ہیں لیکن وہ اس طرف کتنا بڑا قدم اُٹھاتی ہیں یہ تو چناؤ آنے پر ہی پتہ لگے گا۔ فی الحال کانگریس نے خواتین کو با اختیار بنانے کا بیڑا اُٹھا لیا ہے اور اس کی پہل بھی (باقی صـ۱۴ـ پر)

تجزیہ — **محمد فاروق اعظمی**

ہندستان کی جمہوریت کو خطرہ کس سے؟

جمہوریت میں کسی قسم کی انفرادیت کا غلبہ نہیں ہونا چاہیے لیکن ہندستان میں جمہوریت کی برہنہ سچائی یہی ہے۔ یوم آئین کے موقع پر وزیراعظم نریندر مودی نے کسی کا نام لیے بغیر ان سیاسی جماعتوں پر تنقید کی جو کسی ایک خاندان کے زیر اثر ہیں۔ وزیراعظم کا کہنا ہے کہ سیاست میں موروثی پارٹیاں جمہوریت پر یقین رکھنے والوں کے لیے تشویش کا باعث ہیں۔ وزیراعظم نے بغیر نام لیے موروثی سیاسی جماعتوں کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ اگر میرٹ کی بنیاد پر کسی ایک خاندان کے کئی افراد کسی پارٹی سے منسلک ہوں تو وہ موروثی ملکیت نہیں ہوجاتی ہے لیکن ایک جماعت ہے جو کئی نسلوں سے سیاست میں ہے اور وہ اس کی ملکیت ہوگئی ہے۔ موروثی سیاسی جماعتیں جمہوریت پر یقین رکھنے والوں کے لیے لمحۂ فکریہ ہیں۔ ہندستان ایک ایسے بحران کی جانب بڑھ رہا ہے جو آئین کو کمزور کرسکتا ہے۔ سیاسی جماعتیں خود اپنا جمہوری کردار کھو رہی ہیں، اس سے آئین کو نقصان پہنچ رہا ہے۔

وزیراعظم کے بیان کے مطابق ہندستان میں کوئی ایسی سیاسی جماعت نہیں ہے جس پر کسی وراثت کا اثر نہ ہو۔ ہندستان ہی نہیں بلکہ پورے برصغیر ہند و پاک میں یہی صورتحال ہے۔ حتیٰ کہ مختلف نظریاتی جماعتیں بھی بالعموم اسی بحران سے گزر رہی ہیں۔ یہ جماعتیں جمہوریت اور جمہوری شعور کی مخالف ہیں۔ ان کا مقصد صرف اقتدار حاصل کرنا ہوتا ہے اور اس کے لیے وہ طرح طرح کے چولے میں سامنے آتی ہیں، ان ہی چولوں میں ایک جمہوریت بھی ہے۔ جمہوریت کا یہ چولہ اپنے حلقہ بگوشوں کو رجھانے کے لیے پہنتی ہیں۔ ان سیاسی جماعتوں سے جمہوریت اور آئین کو سنگین خطرات لاحق ہیں۔ صرف بھارتیہ جنتا پارٹی ہی ایسی سیاسی جماعت ہے جو جمہوری اصولوں پر عمل کرتی ہے۔ سیاسی جماعتوں کے غیر جمہوری طرزِ عمل کا ذکر کرتے ہوئے وزیراعظم نے سارا نزلہ بغیر نام لیے کانگریس پر اتارا ہے۔ ان کے مشاہدہ اور تجربات کی روشنی میں دیکھا جائے تو کانگریس کے ساتھ ساتھ ترنمول کانگریس راشٹریہ جنتا دَل، سماجوادی پارٹی، نیشنلسٹ کانگریس پارٹی، شیوسینا اور جنوبی ہندستان کی کئی ایک سیاسی جماعتیں بھی اس سے مبرا نہیں ہیں۔ ان میں بھی اکثریت پر کسی ایک خاندان یا ایک شخصیت کا غلبہ ہے۔

یہ درست ہے کہ خاندانی اور موروثی سیاست خطرناک ہوتی ہے لیکن جہاں جمہوریت کارفرما ہو اور حکومت کے لیے عوام کی تائید لازم ٹھہرے وہاں موروثی سیاسی جماعت ہو یا کوئی اور جماعت، اسے جمہوریت کی امتحان گاہ سے گزر کر ہی اقتدار تک پہنچنا پڑتا ہے۔ جمہوریت میں عوام کو حق حاصل ہے کہ وہ جس کو چاہیں ایوان میں بھیجیں اور جسے چاہیں شکست دے کر گھر بٹھا دیں۔ یہ موروثی سیاسی جماعتیں جن کی بابت وزیراعظم نے اشارہ کیا ہے وہ جمہوریت کے امتحان سے گزر کر ہی اقتدار تک پہنچتی ہیں۔

وزیراعظم نریندر مودی اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے شاید یہ فراموش کرگئے کہ کسی کی طرف ایک انگلی اُٹھاتے وقت باقی تین انگلیاں خود اپنی جانب ہی اُٹھتی ہیں، لیکن پانی میں اتر کر بھی دامن تر نہ ہونے دینا وزیراعظم نریندر مودی کا ہی ہنر خاص ہے۔ سیاسی جماعتوں کو اپنے گریبان میں جھانکنے کا مشورہ دیتے ہوئے وہ اس حقیقت کو نظر انداز کرگئے کہ خود ان کی اپنی سیاسی جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی کہاں کھڑی ہے۔ ان کے یہاں بھی بہت سے ایسے لیڈران ہیں جن کے خاندان کے افراد کو ان کی وجہ سے آگے بڑھنے اور منافع بخش عہدوں پر براجمان ہونے کا موقع ملا ہے۔

خود کو موروثی سیاسی جماعت کے داغ سے پاک قرار دینے والی بھارتیہ جنتا پارٹی غیر جمہوری طرزِ عمل کے معاملے میں تو دوسری تمام پارٹیوں سے کئی گز آگے نکل چکی ہے۔ جمہوریت کو جتنے سنگین خطرات اب لاحق ہیں، اس سے پہلے ان کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ تقسیم در تقسیم اور مذہبی منافرت کا جو عمل بی جے پی کے دورِ اقتدار میں شروع ہوا ہے، اس نے جمہوریت کے معنی ہی بدل کر رکھ دیئے ہیں۔ عوام کے ووٹوں کے ذریعہ منتخب ہوکر جمہوری راستہ سے آنے والی یہ سیاسی جماعت بڑی حد تک فسطائی جماعت بن چکی ہے۔ جمہوریت سے فسطائیت تک کے اس سفر میں اس نے جمہوریت کو ہی اپنا ہتھیار بنا رکھا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جمہوریت اور آئین کو خطرہ موروثی سیاسی جماعتوں سے نہیں بلکہ اکثریت کے غرور میں کیے جانے والے منمانے فیصلوں سے ہے۔ عوام کی تائید سے اقتدار میں آکر عوام کے حقوق پر غاصبانہ ڈاکہ عوام کے شعور وآگہی کو کچلنے سے ہے۔ اقتدار اور قوت حاصل کرنے کے لیے عوام کو کالانعام سمجھ کر انھیں ہر طرح کے شعور سے عاری اپاہج ذہن لوگوں کے لشکر میں بدل دینے سے ہے۔ سیاسی علوم کے ماہرین بھی یہی کہتے ہیں کہ جمہوریت کو خطرہ منتخب لیڈروں سے ہی ہوتا ہے جو منتخب ہونے کے بعد اس جمہوری عمل کو ناکام بنانے کی کوشش کرتے ہیں جو انھیں اقتدار میں لایا۔ گزشتہ سات برسوں میں سینکڑوں ایسی مثالیں سامنے آچکی ہیں۔ نوٹ بندی، جی ایس ٹی، این آرسی، سی اے اے، لاک ڈاؤن، زرعی قوانین، لیبر قوانین، بجلی قوانین میں ترمیم جیسے درجنوں فیصلے ہیں جن سے ملک کی جمہوریت کو ٹھیس پہنچی ہے اور آئین کی روح متاثر ہوئی ہے۔ یہ تمام فیصلے اور قوانین عوام کے وسیع تر مفادات پر غور وفکر کیے بغیر صرف عددی برتری کے بیجا احساس کے تحت ایک پارٹی، ایک نظریہ، ایک قوم کو غالب لانے کے لیے کیے گئے۔ ان فیصلوں اور قوانین پر نہ تو دوسری جماعتوں کے لیڈروں سے مشاورت کی گئی اور نہ ہی متعلقین سے رائے لینے کی زحمت گوارا کی گئی۔ فیصلوں کے غلط اور مضر اثرات کے باوجود خود کو درست ثابت کرنے کے لیے طرح طرح کی دلیلیں اختراع کی گئیں۔ آئین اور جمہوریت کو نقصان پہنچا ہے اور پہنچ رہا ہے۔ آئین اور جمہوریت کے تحفظ کے لیے ضروری ہے کہ اکثریت اور عددی برتری کی غلط سوچ سے نکل کر آئین کے احترام کو سب سے مقدم رکھا جائے، ورنہ ہندستان دھیرے دھیرے منتخب آمریت کی طرف بڑھتا چلا جائے گا۔

کھیل کی دنیا

ریکارڈ ساز ٹینس کھلاڑی نووک ڈجکووچ کی کہانی

یوں تو ٹینس کے کورٹس میں کئی کھلاڑیوں نے بے شمار کارنامے سرانجام دیئے ہیں تاہم جو فتوحات اور کامیابیاں سربیا کے عالمی نمبرون ٹینس کھلاڑی نووک ڈجکووچ نے حاصل کی ہیں وہ بھی اپنی مثال آپ ہیں۔ نووک ڈجکووچ اس وقت عالمی نمبرون ٹینس کھلاڑی ہیں اور آئندہ سال شروع ہونے والے سال کے پہلے گرینڈ سلیم ٹینس ٹورنامنٹ آسٹریلین اوپن میں تاحال ان کی شرکت مشکوک دِکھائی دیتی ہے، اس کی بڑی وجہ کورونا ویکسین ہے۔ آسٹریلین اوپن منتظمین نے دوٹوک اعلان کررکھا ہے کہ صرف انھی کھلاڑیوں کو آسٹریلین اوپن ٹینس ٹورنامنٹ میں شرکت کی اجازت دی جائے گی جو کورونا ویکسین لگوائیں گے جبکہ دوسری جانب نووک بضد ہیں کہ وہ کورونا ویکسی نیشن کے حوالے سے کوئی بھی بات پبلک کرنے کے حق میں نہیں ہے، تادم تحریر نووک ڈجکووچ بھی اپنے موقف سے پیچھے نہیں ہٹنا چاہتے اور آسٹریلین اوپن بھی اپنی بات پر قائم ہیں۔ اس کا نتیجہ کیا نکلے گا یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا تاہم نووک ڈجکووچ، جو اس وقت ایک بہت بڑے عالمی ریکارڈ کے قریب ہیں، کو یہ ریکارڈ حاصل کرنے کے لیے آسٹریلین اوپن ٹینس ٹورنامنٹ میں شرکت کرنا پڑسکتی ہے۔ نووک اگر آسٹریلین اوپن ٹینس ٹورنامنٹ میں شرکت کرتے ہیں اور اس ٹورنامنٹ کو جیت جاتے ہیں تو وہ دنیا کے پہلے کھلاڑی بن جائیں گے جنھوں نے ۲۱ گرینڈ سلیم ٹینس اعزازات جیتے ہوں۔ اسی بات کو لے کر آسٹریلین اوپن ٹینس ٹورنامنٹ کے ڈائریکٹر گریک ٹیلے کا کہنا ہے کہ ہمیں امید ہے کہ نووک اپنے کیریئر کا ریکارڈ ۲۱واں گرینڈ سلیم اعزاز جیتنے کا یہ سنہرا موقع ضائع نہیں کریں گے۔ ۳۴ سالہ نووک جو آسٹریلین اوپن ٹینس ٹورنامنٹ کے دفاعی چمپئن بھی ہیں، اس وقت راجر فیڈرر کے ساتھ ۲۰ گرینڈ سلیم اعزاز جیت کر مشترکہ طور پر سب سے زیادہ اعزاز جیتنے والے ٹینس کھلاڑی ہیں۔ گریک کا یہ بھی کہنا ہے کہ نووک جو اس وقت نو بار آسٹریلین اوپن جیت چکے ہیں، مجھے امید ہے کہ وہ دسویں بار بھی اسے جیتنے کے لیے آسٹریلیا آئیں گے اور ویکسی نیشن کی شرط کو پورا کریں گے۔ آسٹریلین اوپن ٹینس ٹورنامنٹ ۱۷ ر تا ۳۰ ر جنوری ۲۰۲۲ء تک میلبورن میں کھیلا جانا ہے، اس کے بارے میں ڈجکووچ نے گزشتہ ماہ کہا تھا کہ وہ ابھی تک اس بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کرسکے ہیں کہ انھیں آسٹریلین اوپن میں شرکت کرنی ہے یا نہیں۔ ٹورنامنٹ ڈائریکٹر گریک کا بھی کہنا ہے کہ ان کی اس حوالے سے عالمی نمبرون نووک کے ساتھ بات ہوئی ہے اور وہ ان سے گفتگو کے بعد بھی لاعلم ہیں کہ نووک نے ویکسی نیشن کرائی ہے یا نہیں۔ ٹورنامنٹ کے ڈائریکٹر نے یہ بھی کہا ہے کہ اب تک ۸۵ فیصد کھلاڑیوں نے ویکسی نیشن کرالی ہے اور مجھے امید ہے کہ ٹورنامنٹ کے آغاز تک یہ نمبر ۹۵ فیصد تک جائے گا۔ اب اس میں نووک ہوں گے یا نہیں ابھی کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ڈائریکٹر کے مطابق اس بار آسٹریلین اوپن میں مکمل طور پر شائقین کو اجازت ہوگی تاہم ان کے لیے یہی شرط ہے کہ وہ ویکسی نیشن کرائیں۔ آسٹریلین اوپن کے لیے ابھی تک کسی بھی نامور کھلاڑی کے ویکسی نیشن کرانے کا اعلان بھی سامنے نہیں آیا ہے۔ بہرحال امید کی جاسکتی ہے کہ نووک جو اس وقت بلاشبہ ٹینس کورٹ کے بے تاج بادشاہ ہیں اس ٹورنامنٹ میں شرکت کی شرائط کو پورا کریں گے اور ۲۱ مرتبہ گرینڈ سلیم اعزاز جیت کر اپنا نام ٹینس کی ریکارڈ بک میں شامل کروائیں گے۔

> **چار سال کی عمر میں نووک کے والدین نے انھیں ٹینس کیمپ میں بھیج دیا اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا اور بارہ سال کی عمر میں نووک کے کھیل کو دیکھتے ہوئے انھیں جرمنی کی معروف ٹینس اکیڈمی میں بھیجا گیا جہاں انھوں نے تین سے چار سال اس کھیل کے رموز سے مکمل واقفیت حاصل کی اور پھر چودہ سال کی عمر میں انھوں نے اپنے بین الاقوامی کیریئر کا آغاز کیا۔**

نووک ڈجکووچ کے اگر ٹینس کیریئر پر نظر ڈالی جائے تو وہ ریکارڈ سے بھرا پڑا ہے۔ نووک جو اس وقت عالمی نمبرون ہیں کو یہ ریکارڈ بھی حاصل ہے کہ وہ ۳۴۸ ہفتوں تک عالمی نمبرون کی پوزیشن پر رہے ہیں جبکہ انھیں یہ ریکارڈ بھی حاصل ہے کہ وہ سات سال تک مسلسل سال کا اختتام بطور عالمی نمبرون کھلاڑی کے کرتے رہے ہیں۔ نووک دُنیا کے واحد کھلاڑی ہیں جو ریکارڈ نو مرتبہ آسٹریلین اوپن کا اعزاز جیت چکے ہیں۔ نووک مجموعی طور پر اپنے کیریئر میں ۸۶ اے ٹی پی اعزازات پا چکے ہیں جبکہ ۳۷ ماسٹرز اعزاز بھی جیت کر وہ سب سے آگے ہیں۔ نووک دنیا کے واحد کھلاڑی ہیں جو اے ٹی پی ٹور میں گولڈن ماسٹرز مکمل کرچکے ہیں۔ نووک نے اپنے پروفیشنل ٹینس کیریئر کا آغاز بیس سال کی عمر میں ۲۰۰۳ء میں کیا تھا جب ٹینس کورٹس پر راجر فیڈرر اور رافیل نڈال کی حکومت تھی مگر انھوں نے آتے ہی ان دونوں کی حکمرانی کو ختم کرکے رکھ دیا۔ ۲۰۰۸ء میں نووک فیڈرر اور نڈال کے مسلسل گیارہ گرینڈ سلیم ٹینس اعزاز جیتنے کی راہ میں رکاوٹ بن گئے اور آسٹریلیا اوپن کا اعزاز جیت لیا۔ ۲۰۱۰ء میں نووک فیڈرر، نڈال کے ساتھ دنیا کے تین بہترین کھلاڑیوں میں شامل ہوگئے اور پھر ان تینوں کھلاڑیوں نے ایک دہائی تک کسی اور کھلاڑی کو کسی اعزاز کے قریب نہیں آنے دیا۔ نووک ۲۰۱۱ء میں پہلی بار عالمی نمبرون کی پوزیشن پر فائز ہوئے۔ اس سال انھوں نے چار میں تین اعزاز جیتے جبکہ پانچ ماسٹرز پوائنٹس میں کامیابی حاصل کی۔ اس کے بعد انھوں نے پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا اور ایک دہائی تک دنیا کے بہترین کھلاڑی رہے۔ نووک نے ۲۰۱۲ء سے ۲۰۱۵ء کے درمیان ہونے والے پانچ سے چار ماسٹر ایونٹ کے فائنل جیتے، نووک جو کیریئر کے آغاز میں ۲۰۱۰ء تک مسلسل نمبر تین کی پوزیشن پر رہے اس کے بعد چھ سال تک نووک عالمی نمبرون اور تین سال تک عالمی دو کی پوزیشن پر فائز رہے۔ ۲۰۱۵ء کے دوران تو نووک مسلسل پندرہ ٹورنامنٹ کے فائنل تک پہنچے جس میں چار گرینڈ سلیم بھی شامل تھے اور آٹھ ماسٹرز ایونٹ بھی شامل تھے۔ نووک ڈجکووچ اپنے ملک کی جانب سے ڈیوس کپ مقابلوں میں بھی کھیل چکے ہیں اور انہی کے بہترین کھیل کی وجہ سے سربیا نے ۲۰۱۰ء میں پہلی بار ڈیوس کپ کا اعزاز جیتا جبکہ پہلا اے ٹی پی کپ جو ۲۰۲۰ء میں کھلا گیا تھا وہ بھی سربیا کے نام رہا۔ نووک ۲۰۰۸ء کے بیجنگ اولمپکس میں اپنے ملک کے لیے کانسہ کا تمغہ بھی جیت چکے ہیں۔ کھیلوں کے سب سے بڑے ایوارڈ لورس ورلڈ اسپورٹس میں ایوارڈ نووک نے چار بار جیتا ہے۔ ۲۲؍جنوری ۱۹۸۷ء کو بلگراڈ میں پیدا ہونے والے نووک ڈجکووچ کے والد کا تعلق سربیا جبکہ والدہ کا تعلق کروشیا سے ہے اور ان کے (باقی صـ۱۴ پر)

طب وصحت

دُھوپ - فوائد و نقصانات کے آئینے میں (۱)

جلد پر دھوپ کے اثرات: اکثر افراد خاص طور پر خواتین دھوپ سے اس لیے کتراتی ہیں کہ کہیں رنگ کالا نہ پڑجائے۔ یہ بات درست ہے کہ تیز دھوپ جلد کی نمی غیر متوازن کرکے اس کی شادابی کم کردیتی ہے مگر دھوپ سے مکمل اجتناب بھی مناسب نہیں کیونکہ اگر طویل عرصے تک خلیے سورج کی شعاعوں سے محروم رہیں تو وہ مردہ ہوکر جلد کی تازگی اور شادابی کھودیتے ہیں۔ بعض جلدی امراض مثلاً چنبل کا علاج بالا بنفشی شعاعوں یعنی دھوپ سے کیا جاتا ہے۔ مریض کو خاص وقت میں مختلف دوائیاں لگاکر دھوپ میں بٹھایا جاتا ہے۔ برص کے معالج بھی کہتے ہیں کہ دھوپ سے ان کے مرض کو افاقہ ہونے میں مدد ملتی ہے بشرطیکہ برص ابتدائی مراحل ہی میں تشخیص کرلیا جائے۔ ایسی خواتین اور حضرات جن کے چہروں پر کیل نکلتے ہوں اور ان کی جلد غیر معمولی طور پر چکنی ہو انھیں تیز دھوپ میں بیٹھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔ اس سے نہ صرف کھجلی اور جلن میں اضافہ ہوتا ہے بلکہ سوزش اور ورم بھی بڑھ سکتا ہے۔

جلد کا سرطان: جدید تحقیق نے لوگوں کو خوفزدہ کردیا ہے کہ دھوپ جلد کے سرطان کا باعث بن سکتی ہے۔ یہ تحقیق غلط نہیں، سورج کی بالا بنفشی شعاعیں سرطان کا موجب بنتی ہیں لیکن یہ اسی وقت ممکن ہوتا ہے جب طویل عرصے تک اس کی زد میں رہا جائے۔ وہ افراد جو ساحل سمندر پر یا کسی ایسی جگہ لگاتار کئی گھنٹے کام کرتے ہوں جہاں انھیں سایہ میسر نہیں وہ ان شعاعوں کے باعث جلد کے سرطان کا شکار ہوسکتے ہیں۔ تحقیق کے بعد مغربی ممالک میں سورج کی روشنی سے گھنٹوں محظوظ ہونے والے مرد و خواتین اب ساحلوں پر برہنہ لیٹنے کے شغل کا دورانیہ بہت حد تک گھٹا رہے ہیں۔ مغربی ممالک کے لوگوں کو چونکہ طویل سردیوں کے بعد سورج میسر آتا ہے اس لیے وہ دھوپ کو زیادہ سے زیادہ اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور بے خبر ہوتے ہیں کہ ان کی بے اعتدالی انھیں تابکاری کے مضر اثرات کا شکار کرسکتی ہے۔ صبح سویرے سورج کی دھوپ زیادہ تیز نہیں ہوتی لہٰذا اس وقت دھوپ سے محظوظ ہونا مناسب ہے۔

بالوں کے لئے دھوپ: اکثر خواتین کہتی ہیں کہ وہ بالوں میں بہت زیادہ تیل لگاتی ہیں مگر ان کے بال ٹوٹتے رہتے ہیں اور لمبے نہیں ہوتے۔ مانا کہ تیل بالوں کی صحت کے لیے ضروری ہے مگر اس کا زیادہ استعمال بالوں کی نشو ونما روک بھی دیتا ہے۔ وٹامن ڈی بالوں کی افزائش میں بھی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ بنگلہ دیش کی اکثر خواتین کے بال لمبے، گھنے اور صحت مند ہوتے ہیں کیونکہ مچھلی ان کی خوراک کا اہم ترین جز ہے جس میں وٹامن ڈی خاصی مقدار میں ہوتا ہے۔ بالوں کو ڈھانپنا اگرچہ آلودگی کے مضر اثرات سے محفوظ رکھنے کا اچھا طریقہ ہے لیکن اس طرح کئی مفید اجزا بالوں تک نہیں پہنچ پاتے۔

بال دھوپ میں سکھانے کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ تپش کی وجہ سے بالوں میں نمی اور خشکی سے پیدا ہونے والے جراثیم ختم کرتی ہے اور سر میں جوئیں پیدا نہیں ہوتیں۔ تیز دھوپ میں مسلسل کئی گھنٹے رہنا نقصاندہ ہے۔ ایک خیال یہ بھی ہے کہ مشرقی ممالک کے افراد کی گندمی رنگت میں کشش محسوس کرتے ہوئے گورے گوریاں دھوپ میں بیٹھ کر اپنی گوری رنگت سانولا کرنے کی کوشش کرتے ہیں مگر اس عمل سے ان کی جلد خراب ہوجاتی ہے۔ عجیب بات یہ بھی ہے کہ سورج کی تپش جہاں جلد کے سرطان کا باعث بنتی ہے وہیں کئی قسم کے سرطان سے محفوظ بھی رکھتی ہے۔ ◻◻

ادبیات

اے بادِ صبا مجھ کو اب سوئے حرم لے چل

مولانا عبدالعزیز ظفر جنک پوری

اے بادِ صبا مجھ کو اب سوئے حرم لے چل
فرقت میں ہیں آقا کی آنکھیں میری نم لے چل

دیدارِ نبی کا یہ مشتاق ہے دیوانہ
اس بے کس و عاصی پر ہوجائے کرم لے چل

جس ارضِ مقدس پر انوار کی بارش ہے
بہتا ہے جہاں ہر دم دریائے کرم لے چل

اے بادِ صبا مجھ کو آقا کے نگر پہنچا
وہ رحمت عالم ہیں رکھ لیں گے بھرم لے چل

آنکھوں میں بسالیں گے اس خاک کے ذروں کو
جس خاک نے چومے ہیں آقا کے قدم لے چل

مرے نزدیک ہمت کا جوانی نام ہے حافظؔ

قاری محمد اسحاق حافظ سہارنپوریؒ

بشر کو والیِ کون و مکاں میں کہہ نہیں سکتا
کسی صورت زمیں کو آسماں میں کہہ نہیں سکتا

لٹیروں کو امیرِ کارواں میں کہہ نہیں سکتا
خزاں کو فصلِ گل کا پاسباں میں کہہ نہیں سکتا

دیارِ غیر میں آرام بھی آزار ہوتا ہے
دیارِ غیر کو جنت نشاں میں کہہ نہیں سکتا

جہاں پھولوں کے بدلے ہر طرف کانٹے ہی کانٹے ہیں
کبھی ان جھاڑیوں کو گلستاں میں کہہ نہیں سکتا

ہزار آرام و آسائش میسر ہو مجھے لیکن
قفس کو بھول کر بھی آشیاں میں کہہ نہیں سکتا

محبت سازِ ہستی کا بہت میٹھا ترانہ ہے
محبت کی تڑپ کو جاں ستاں میں کہہ نہیں سکتا

مٹا دیتے ہیں جو ہستی کو اپنی عشقِ صادق میں
انھیں اے دوست بے نام و نشاں میں کہہ نہیں سکتا

مراجی سے گزر جانا بہت آسان ہے لیکن
درِ جابر کو اپنا آستاں میں کہہ نہیں سکتا

چراغِ زیست ہر دم ہے ہوائے وقت کی زد پر
چراغِ زندگی کو جاوداں میں کہہ نہیں سکتا

مری شانِ وفاداری اجازت ہی نہیں دیتی
ہوا مجھ پر جو لطفِ دوستاں میں کہہ نہیں سکتا

مرے نزدیک ہمت کا جوانی نام ہے حافظؔ
کبھی کم ہمتوں کو نوجواں میں کہہ نہیں سکتا

گھر میں رہ کر بھی در بدر تنہا

ڈاکٹر حنیف ترین سنبھلی

میں رہا خود ہی عمر بھر تنہا
گھر میں رہ کر بھی در بدر تنہا

چھوڑ آیا ہوں منزلوں کے نشاں
میں گیا ہوں جدھر جدھر تنہا

دائرے دور دور تک پھیلے
ایک کنکر سے جھیل بھر تنہا

سینکڑوں منزلیں قدم چومیں
حوصلہ ساتھ دے اگر تنہا

درد پھیلا سجی جو تنہائی
ہو ہی پایا نہ دل کا گھر تنہا

کل جو خوابوں کی بھیڑ میں گم تھی
ہے نظر کی وہ رہ گزر تنہا

اُڑ گئے جب سے یاس کے پنچھی
ہے حنیفؔ آس کا شجر تنہا

حالات سے لگتا ہے لٹتے جارہے ہیں اب

محمد راشد رحیمی بڈیڈوی

دُنیا سے اچھے لوگ اُٹھتے جارہے ہیں اب
اسلاف کے نشاں وہ مٹتے جارہے ہیں اب

دن رات ہمیں باخدا یہ فکر کھائے ہے
ملت کے فکرمند گھٹتے جارہے ہیں اب

قدرت ہی جانتی ہے بس کیا ہوگا ماجرا
حالات سے لگتا ہے لٹتے جارہے ہیں اب

انجام کی نہ فکر، نہ آغاز پر نظر
دیکھو جہاں میں بم پھٹتے جارہے ہیں اب

کنبوں میں قبیلوں میں کیسی پھوٹ پڑگئی
گھر بار اپنے دیکھ بٹتے جارہے ہیں اب

دھوکہ فریب و جھوٹ کا بازار گرم ہے
احکام شریعت سے ہٹتے جارہے ہیں اب

فیشن پرستی، عیش و عیاشی کے شہر میں
افسوس دستِ نفس پٹتے جارہے ہیں اب

شاید کہ ہم نے اپنے بڑوں کو بھلا دیا
دن اپنی تباہی کے چھٹتے جارہے ہیں اب

توبہ کرو اے بھائیو! ہے اس میں بھلائی
راشدؔ سنو دن اپنے گھٹتے جارہے ہیں اب

صبح ہوگی تو نظر آئے گا صحرا مجھ کو

اعجازؔ عسکری

کیوں ڈراتا ہے ابھی رات کا دریا مجھ کو
صبح ہوگی تو نظر آئے گا صحرا مجھ کو

روشنی کرتی رہی اپنی شعاعوں کا حساب
ڈس گیا اپنی ہی آنکھوں کا اندھیرا مجھ کو

عقل بیٹھی رہی حکمت کی کمیں گاہوں میں
اور بہا لے گیا جذبات کا دھارا مجھ کو

بقیہ — ریکارڈ ساز ٹینس کھلاڑی....

خاندان میں اس سے پہلے کبھی کسی نے ٹینس کا کھیل نہیں کھیلا تھا۔ بچپن میں اسے والدین کی جانب سے کھلونا ریکٹ اور ٹینس تحفے میں ملی اور پھر نووک کا ذہن اس کھیل کی جانب ایسا مائل ہوا کہ وہ ریکارڈ یافتہ کھلاڑی بن گئے۔ چار سال کی عمر میں نووک کے والدین نے انھیں ٹینس کیمپ میں بھیج دیا اور پھر یہ سلسلہ چلتا رہا اور بارہ سال کی عمر میں نووک کے کھیل کو دیکھتے ہوئے انھیں جرمنی کی معروف ٹینس اکیڈمی میں بھیجا گیا جہاں انھوں نے تین سے چار سال اس کھیل کے رموز سے مکمل واقفیت حاصل کی اور پھر چودہ سال کی عمر میں انھوں نے اپنے بین الاقوامی کیریئر کا آغاز کیا۔ یورپی ٹینس چمپئن شپ میں سنگل، ڈبلز اور ٹیم ایونٹ میں کامیابی حاصل کی، اس کے بعد نووک ہر ٹورنامنٹ میں ایک نئے انداز سے سامنے آنے لگے اور مخالف کھلاڑیوں کے لیے ان کو شکست دینا مشکل ہوگیا۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نووک ڈجکو ویچ کی کوچنگ سابق مایہ ناز اور عالمی نمبر ون امریکی ٹینس کھلاڑی مونیکا سلیپر بھی کرچکی ہیں۔ نووک کے والد سرڈن نے اپنے ایک انٹرویو میں کہا تھا کہ صرف دو سال کی عمر میں ہی اس کے ٹینس کھیلنے کے شوق کو دیکھ کر ہمیں اندازہ ہوگیا تھا کہ اگر اسے مکمل کوچنگ اور ٹریننگ دی جائے تو یہ ایک اچھا کھلاڑی بن سکتا ہے تاہم ہمیں اندازہ نہیں تھا کہ یہ صرف اچھا نہیں بلکہ ریکارڈ یافتہ کھلاڑی بن کر سامنے آئے گا۔ □□

بقیہ : —— مراسلات

مقالہ نگار اور محاضرین کو مدعو کیا گیا تھا ان میں سے بعض نے تو بڑی عمدہ، مفصل اور اپنے موضوع پر فاضلانہ مقالہ پیش کیا جن سے شرکاء بڑی تعداد میں مطمئن ہوئے، لیکن بعض محاضرین ایسے بھی تھے جنھوں نے اپنے مقرر کردہ موضوع پر کوئی مطالعہ نہیں کیا تھا، بلکہ شرکاء کو جو کتابچہ تقسیم کیا گیا تھا من وعن اسی کو پڑھ کر سنا دیا گویا خانہ پری کردی گئی، سوال یہ ہے کہ ایسے محاضرین جو اطلاع کے باوجود اپنے موضوع کا ہمہ گیر مطالعہ نہیں کرسکتے یا ان کے پاس مطالعے کا وقت نہیں ان کو مدعو کرکے کتنا فائدہ ہوگا؟ کچھ لوگوں کا الزام ہے کہ مولوی کی جماعت کاہل ہوتی جارہی ہے، وہ محنت نہیں کرنا چاہتے، ان کی باتوں میں کسی قدر سچائی ہے یہ الگ بات ہے کہ سارے علماء کو اس صف میں شامل نہیں کیا جاسکتا، چند سال قبل جمعیۃ علماء کے ایک ذمہ دار نے دہلی آفس میں مجھ سے کہا تھا کہ جمعیۃ علماء جو سیمینار کرتی ہے اس کیلئے ایک ایک مقالہ نگار کو کئی ہزار روپے بطور محنتانہ پیش کیا جاتا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ زیادہ تر لوگ تحقیق وتدقیق کا مظاہرہ نہیں کرتے، محنت نہیں کرتے، جیسے تیسے لکھ کر اپنا مقالہ جمع کردیتے ہیں، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کا مقالہ کسی خاص اہمیت کا حامل نہیں ہوتا۔

مذاکرے اور اس طرح کے پروگرام کے انعقاد کا مقصد یہ بھی ہے کہ اس بحث ومباحثے کے ذریعے ذہن کشادہ ہو نئے نئے سوالات پیدا ہوں اور پھر اسکے تشفی بخش جوابات دیئے جائیں، اسی طرح پروگرام میں شرکاء کو جو کتابچہ تقسیم کیا گیا اس میں اغلاط کی بڑی تعداد ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کی پروف ریڈنگ نہیں کی گئی جلدی جلدی میں شائع کردیا گیا، بورڈ کے ذمہ داران کو اس پر توجہ کی ضرورت ہے، بورڈ کے ایک ذمہ دار نے بتایا کہ ۲۰۰۵ء سے اب تک ملک کے مختلف شہروں میں تفہیم شریعت کے عنوان سے صرف بارہ پروگرام ہوئے ہیں، جن میں پہلا اور بارہواں پروگرام حیدرآباد میں منعقد ہوا، میں نے ایک ذمہ دار سے پوچھا کہ ملک کے کن کن شہروں میں اس طرح کے پروگرام ہوئے؟ اس سوال پر انھوں نے جواب دیا کہ اس کی کوئی لسٹ ہمارے پاس موجود نہیں ہے، اس طرح کا ریکارڈ تو بورڈ کے پاس ہونا ہی چاہئے امید کہ اس پر توجہ دی جائے گی اور بورڈ سے متعلق ریکارڈ محفوظ رکھا جائے گا، اس پروگرام میں ایک کمی یہ محسوس کی گئی کہ صرف ایک ہی مکتبہ فکر یعنی دیوبندی مکتبہ فکر کے لوگ شامل تھے، جبکہ بورڈ تمام مکاتب فکر کا متحدہ پلیٹ فارم ہے کہلاتا ہے، دیگر مکاتب کے لوگوں کو بھی شامل کیا جانا چاہئے یا پھر ان کیلئے الگ سے پروگرام کی شکل بنانی چاہئے، جامعہ نظامیہ، اہل حدیث اور دیگر مکاتب کے لوگ نہ شرکاء میں تھے اور نہ ہی مدعو کئے گئے تھے، ایسے میں صرف ایک مکتبہ فکر کے لوگوں کو جمع کرکے کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوسکتی، اس بات سے انکار کی کوئی گنجائش نہیں کہ فتنوں اور انتشار کے اس دور میں بورڈ کا وجود غنیمت ہے، اس پلیٹ فارم سے جو آواز بلند کی جاتی ہے آج بھی اس کی بازگشت عام گھروں کے علاوہ اقتدار کے ایوانوں میں سنی جاتی ہے، بورڈ کو یہ امتیاز بھی حاصل ہے کہ یہ ہندوستانی مسلمانوں کا سب سے بھروسہ مند پلیٹ فارم ہے، بورڈ نے بلاشبہ ماضی میں اپنے بینر تلے کارہائے نمایاں انجام دیئے جس کی وجہ سے بلا اختلاف مسلک ومشرب لوگوں کی توجہ انھیں حاصل ہوئی، لیکن حالیہ برسوں میں اس کی محدود اور روایتی سرگرمی نے اس کی ساکھ کو متاثر کیا، ۱۹۷۲ء میں قائم ہونے والی اس تنظیم کو ہر اعتبار سے مضبوط ومستحکم ہونا چاہیے، ملت اسلامیہ ہندیہ آج اضطراب آمیز ماحول اور انتہائی مشکل دور سے گذر رہی ہے، اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ بورڈ روایتی کارروائیوں سے اوپر اٹھ کر اپنی سابقہ وقار کی بحالی کیلئے جدوجہد کرے، تفہیم شریعت ورکشاپ کے ایک دو پروگرام سے مسئلہ حل نہیں ہوسکتا، اس طرح کے پروگرام بڑے شہروں میں حلقے واری سطح پر منعقد ہونے چاہیے، بہت سی ایسی مساجد کے خطباء اور ائمہ روایتی خطاب سے آگے نہیں بڑھتے تو پھر وہ لوگوں کو اسلامی قانون کس طرح سمجھائیں گے؟، جبکہ وہ خود ان قوانین سے لاعلم ہیں یا پھر کماحقہ واقفیت نہیں رکھتے، بہتر ہوگا کہ بورڈ علماء، ائمہ، خطباء، مدرسین، اسکول ٹیچر، وکلاء، دانشوران اور صحافی حضرات کیلئے الگ الگ پروگرام کا خاکہ تیار کرے، اور محاضرین کی حیثیت سے وسیع المطالعہ شخصیت کا انتخاب کرے تاکہ اس کا فائدہ دیر تک اور دور تک پہنچ سکے، ہمارا المیہ یہ بھی ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کے پاس کوئی منظّم پلان، حکمت عملی اور تربیتی نظام موجود نہیں اور نہ آج تک اس پر کوئی توجہ دی گئی، بورڈ کو ایک منظّم اور مرتب نظام ترتیب دینا چاہئے جو وقت کی اہم ضرورت ہے۔ عائلی مسائل سے واقفیت اور اس کے تحفظ کیلئے تفہیم شریعت جیسے پروگرام کو بڑے پیمانے اور ہر سطح کے لوگوں کیلئے منعقد کرنے کی ضرورت ہے۔

مولانا سرفراز احمد قاسمی، حیدرآباد

بقیہ — خواتین کو بااختیار....

کردی ہے۔ اب وہ اسے ووٹ بینک میں کتنا بدل پاتے ہیں یہ دیکھنا اہم ہوگا۔ سیاسی مبصرین کی مانیں تو ریاست میں حکمراں جماعت بی جے پی کا مقابلہ اکھلیش کی سماجوادی پارٹی کے ساتھ ہے اور وہ سرے سے ہی کانگریس کو مسترد کرتے نظر آرہے ہیں۔ سیاسی ماہرین کا کہنا ہے کہ ریاست میں کانگریس اپنا وجود کھو چکی ہے اور اس بار بھی یوپی میں بی جے پی کا مقابلہ سماجوادی پارٹی سے ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ پی ایم مودی اپنی تقریروں میں اکھلیش کو نشانہ بناتے نظر آرہے ہیں۔ یہ بھی کہا جارہا ہے کہ ریاست میں مسلمان اور یادو سماجوادی پارٹی کا ووٹ بینک ہے جبکہ دلت، بہوجن سماج پارٹی کا ووٹ بینک مانا جاتا ہے لیکن کانگریس کا اپنا کوئی خاص ووٹ بینک نہیں ہے۔ لہٰذا اسی لیے کانگریس خواتین کو اپنا ووٹ بینک بنانا چاہتی ہے اور اسی غرض سے اس بار چناؤ میں ۴۰ فیصد خواتین کو امیدوار بنانے کا فیصلہ کیا گیا ہے تاکہ خواتین کی شکل میں ووٹ بینک کھڑا کیا جاسکے۔ □□

بقیہ — منظر پس منظر

ہیں؟ اس سے نمٹنا نہ صرف حکومت کی ذمہ داری ہے بلکہ خود سماج کو ایسے غیر انسانی حالات پر غور کرنا چاہیے۔ خاص طور پر سماجی طور پر مضبوط اور سہولت سے لیس طبقات کو اس سمت میں پہل کرکے تصویر بدلنے اور نظام کو انسانی شکل دینے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ذات اور اس نظام کے تحت چلنے والی نفسیات نے ہمارے سماج کو ماضی سے لے کر اب تک بہت نقصان پہنچایا ہے۔

مدراس ہائی کورٹ کا مناسب فیصلہ

سابق وزیر اعلیٰ تمل ناڈو جے للتا کی رہائش گاہ سے متعلق مدراس ہائی کورٹ سے صادر فیصلہ مناسب ہی ہے کیونکہ عدالت نے سابق میں انا ڈی ایم کے کی حکومت کی جانب سے پیوش گارڈنس کو میوزیم میں تبدیل کرنے سے متعلق جاری احکامات کو کالعدم قرار دیا ہے۔

عدالت نے واضح کیا کہ اس جائیداد کو اپنے قبضے میں لینے کا حکومت کو کوئی حق نہیں ہے، نیز نیوزیم میں تبدیل کرنے سے عوام کے لیے بھی کوئی فائدہ نہیں ہے۔ عدالت کی جانب سے اس جائیداد کا قبضہ تین ہفتوں کے دوران جے للتا کے وارثین دیپا اور دیپک کے حوالے کرنے سے متعلق فیصلہ کا وسیع تر سیاسی اثر پڑسکتا ہے۔ دیپا اور دیپک کی جانب سے عدالت میں عرضی داخل کرتے ہوئے سوال کیا گیا تھا کہ عدالت کی جانب سے دونوں کو وارث تسلیم کرنے کے بعد اس مکان کو حکومت کس طرح حاصل کرسکتی ہے۔ پنیر سیلوم اور پلانی این کی جانب سے جلد بازی میں لیے گئے اس فیصلے سے اس وقت انتہائی برق رفتاری کے ساتھ تبدیل ہورہی سیاسی صورتحال کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ دیپا اور دیپک کے لیے اس عرصہ کے دوران دشمن تصور کی جانے والی ششی کلا کے ہاتھوں جائیداد کے چلے جانے کے خدشات کے دوران پلانی سوامی جو جے للتا میموریل فاؤنڈیشن کے صدر اور چیف منسٹر بھی تھے، نے ۲۰۲۰ء میں ایک آرڈیننس کے ذریعہ اس جائیداد کو حکومت کے قبضہ میں لے لیا تھا۔ ریاستی حکومت نے عمارت کی قیمت ۶۷ کروڑ روپے عدالت میں جمع بھی کرادی تھی۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ بنگلور جیل سے رہائی کے بعد ششی کلا اس عمارت میں بیٹھ کر کوئی سیاست نہ کرسکے۔ دوسری طرف دیپا اور دیپک نے عدالت کو بتایا تھا کہ اس عمارت کو جے للتا کی والدہ اداکارہ سندھیا نے خریدا تھا۔

ششی کلا کے بھانجے سدھا کرن کو جے للتا کی جانب سے گود لیے جانے کے بعد دیپا اور دیپک جے للتا سے دور ہوگئے تھے۔ چونکہ ششی کلا کے خاندان سے دیپک کے اچھے تعلقات ہیں۔ سیاسی حلقوں میں قیاس ظاہر کیا جارہا ہے کہ ششی کلا اس عمارت کا راست یا بالواسطہ استعمال کرسکتی ہیں۔ یہ مکان جے للتا کی رہائش گاہ ہی نہیں بلکہ سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بھی تھا۔ جے للتا نے کچھ عرصہ کے لیے ششی کلا سے دوری اختیار کرلی تھی مگر دونوں کے درمیان کئی دہوں تک اچھے تعلقات رہے۔ چنئی کی مرینا بیچ پر ۸۰ کروڑ روپے کے مصارف سے جے للتا کی یادگار موجود ہے۔ پھر کیوں چند کلومیٹر کے فاصلے پر ایک اور یادگار رہے۔ یہ سوال ہائی کورٹ نے کیا اور عوامی سرمایہ کو احتیاط کے ساتھ خرچ کرنے کا مشورہ بھی دیا۔ مدارس ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ من مانی کررہے سیاسی قائدین کے لیے ایک سبق ہے۔ □□

بقیہ — رٹیل سیکٹر میں...

لے کر ۵۰۰ لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے اور ہر مالس میں دو سے تین بڑے ریٹیل اسٹور ہوتے ہیں۔ ہر ریٹیل کمپنی میں ٹیم ممبر سے لے کر سینئر منیجرس تک کے جاب ہوتے ہیں۔ اگر آپ کی انگریزی میں اچھی گرفت ہے تو ملٹی نیشنل کمپنیوں کے بیرونی ملکوں میں واقع شوروم میں بھی ملازمت کرسکتے ہیں۔

عہدے: اگر آپ کے پاس ریٹیل مارکیٹ کی فیلڈ میں ایم بی اے ڈگری یا ڈپلوما ہے تو آپ سیلس منیجر، مرچینڈائز منیجر، ریٹیل سیلس ریپرزینٹیٹو، اسٹور منیجر، اسسٹنٹ اسٹور منیجر، ایریا منیجر، ریجنل منیجر، مینجمنٹ ٹرینی، سیلس مینجمنٹ ٹرینی، وغیرہ عہدوں پر تقرری حاصل کرسکتے ہیں۔ کمپنی میں ڈپارٹمنٹ منیجر، اسسٹنٹ اسٹور منیجر، بائر ٹرینی، مارکیٹنگ اینڈ سیلس ایگزیکیوٹو سمیت دیگر عہدوں پر کام کرنے کا بھی موقع مل سکتا ہے۔ اب یہ آپ پر منحصر کرتا ہے کہ آپ ان میں سے کس طرح کے جاب چاہتے ہیں۔

امکانات سے پُربازار

انسٹی ٹیوٹ آف فائنانس اینڈ ریٹیل مینجمنٹ کانپور کے ڈائریکٹر موہت گپتا کا کہنا ہے کہ آج ریٹیل کی دنیا سب سے بڑی انڈسٹری کے طور پر اُبھر کر سامنے آئی ہے۔ دنیا کے کئی ملکوں میں ٹاپ گیارہ صنعت کاروں میں سے کم سے کم ایک صنعت کار اس سیکٹر سے جڑا ہوا ہے۔ ملک میں آج ریٹیل کی تقریباً ایک کروڑ سے زیادہ دُکانیں ہیں جبکہ ۲۰۰ سے زیادہ مالس ہیں۔ ان کی تعداد میں تیزی سے اضافہ ہورہا ہے جس کی وجہ سے ہر سطح پر ہنرمند لوگوں کی ضرورت بڑھ رہی ہے۔

ہندستانی بازار پر سب کی نظر

ملک کے عظیم الشان صارفین بازار کو دیکھتے ہوئے ہندستان ہی نہیں بلکہ کئی ملٹی نیشنل کمپنیاں بھی ریٹیل مارکیٹ کی طرف کھنچی چلی آرہی ہیں۔ ریلائنس انڈسٹریز کی ملکیت والی ریلائنس ریٹیل لمیٹڈ کا مارچ ۲۰۱۱ء تک ۱۵۰ مزید اسٹور کھولنے کا منصوبہ ہے۔ کمپنی اگلے پانچ سال میں ملک بھر میں اپنے اسٹورس کی تعداد دوگنا کردے گی۔ ملک بھر میں فی الحال ریلائنس اسٹور کی تعداد ۱۰۵۰ ہے۔ آر پی جی گروپ کی کمپنی اسپینسرس ریٹیل اگلے مالی سال میں ملک بھر میں پندرہ تا بیس ہائپر مارٹ کھولے گی۔ ایک اندازہ کے مطابق ہندستان میں ریٹیل مارکیٹ جو ابھی ۳۰۰، ارب ڈالر ہے ۲۰۱۵ء تک بڑھ کر ۶۳۵؍ارب ڈالر ہونے کا اندازہ ہے۔

ابتدا کیسے کریں: اگر آپ میں گاہکوں کو راغب کرنے کے ساتھ پروڈکٹ بیچنے کی صلاحیت ہے تو اس فیلڈ میں سیلس مین کے طور پر ابتدائی مرحلے میں کام کرنے والے امیدواروں کو پانچ ہزار سے لے کر آٹھ ہزار روپے آسانی سے مل جاتے ہیں۔ ریٹیل سیلس ریپرزنٹیٹو عہدے پر تقرری ملنے پر بڑی کمپنیاں ابتدا میں دس ہزار سے اٹھارہ ہزار روپے تک کی سیلری دیتی ہیں جبکہ مینجمنٹ ٹرینی کے طور پر تقرری پانے والوں کو ابتدا میں چودہ تا بیس ہزار روپے جبکہ منیجر کے عہدے پر کام کرنے والوں کو بیس تا ساٹھ ہزار روپے ماہانہ تنخواہ ملتی ہے۔

کہاں کریں کورس: اکیڈمی آف مینجمنٹ اسٹڈیز، دہرہ دون، سینٹر فار ایڈوانس نیٹ ورک انجینئرنگ اینڈ ریسرچ، بنگلور، ایم آئی ٹی انسٹی ٹیوٹ آف ڈسٹنس ایجوکیشن، پنے، اے پی جے انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ، نئی دہلی۔

داخلے سے پہلے توجہ دیں

☆ اگر کوئی ادارہ دو سال سے کم مدت میں پی جی ڈپلوما دیتا ہے تو یہ ضرور دیکھ لیں کہ ادارہ تسلیم شدہ ہے یا نہیں۔ ☆ ہوم سکنس سے بچیں۔ ☆ ادارہ کو اچھی طرح سمجھ کر وہاں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ سے مل کر مینجمنٹ کی واقفیت حاصل کریں۔ ☆ اسکول کے سابق نتائج اور پلیسمنٹ کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔ □□

بقیہ — آزاد بھارت میں ملّی سیاست....

استدلال واستنباط قطعی طور سے بے دانشی، عجلت پسندی اور حالات سے ازحد انفعالیت اور اثر پذیری پر مبنی ہے نہ کہ حقائق وواقعات پر مبنی تجزیہ و رہنمائی۔ عملی صورتحال کو نظرانداز کرکے خوبصورت الفاظ میں رومانوی ونظریاتی بحثوں اور باتوں سے کسی جوہری تبدیلی کی توقع سراسر خوش فہمی ہوگی نہ کہ حقیقت بیانی۔ گزشتہ کچھ دنوں میں کئی طرح سے ایسے نظر ونکات زبانی وتحریری شکل میں سامنے آئے ہیں جن پر سنجیدہ ونتیجہ خیز بحث وگفتگو کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ مسائل اور سوالات پیش کرکے حل اور جوابات سے گریز قیادت ورہنمائی کے تقاضوں کے منافی ہے۔ آزاد بھارت میں مسلمانوں کی سیاست وقیادت کے حوالے سے مختلف پہلوؤں کو پیش کرنے کا کام کئی جہات سے ہوا ہے، جہاں مولانا وحیدالدین خاں نے اپنی کتابوں، قیادت نامہ، تعمیر ملت، مسائل اجتہاد، تعمیر کی طرف، ہندستان آزادی کے بعد، اتحادِ ملت، کاروانِ ملت، ہندستانی مسلمان، تعبیر کی غلطی، دین کی سیاسی تعبیر میں قیادت وسیادت والی اور ملت کے راستہ ومنزل کے سلسلے میں کئی طرح کی باتیں لکھی ہیں، وہیں مولانا سلطان احمد اصلاحی (آزاد ہندستان میں مسلمان اور سیاست) اور ڈاکٹر الطاف اعظمی دیگر کتابوں کے ساتھ 'احیائے ملت اور دینی جماعتیں' میں بھی جمعیۃ علماء ہند، جماعت اسلامی ہند اور تبلیغی جماعت کے حوالے سے کئی امور کو زیر بحث لائے ہیں۔

گزشتہ کئی سالوں سے خصوصاً ۲۰۱۴ء سے مولانا خلیل الرحمٰن سجاد نعمانی بھی اپنے بیانات اور ماہنامہ 'الفرقان' کے اداریے میں اپنی قیادت میں ایک آزاد اور اصولی سوچ والی سیاسی پارٹی کی تشکیل کی ضرورت پر مسلسل متوجہ کرتے آرہے ہیں۔ 'الفرقان' کی حالیہ اشاعت بابت دسمبر ۲۰۲۱ء میں بھی اس پر مولانا سجاد نعمانی نے اپنی نگاہ اوّلیں ڈالی ہے لیکن واضح موقف رکھنے کے بجائے تذبذب وتضادِ فکرو رائے کا شکار نظر آتے ہیں۔ جمعیۃ علماء ہند، امارتِ شرعیہ، مولانا مدنی اور مولانا سجاد بہاری کے نقاطِ نظر میں اختلاف دِکھاتے ہوئے بذاتِ خود اس کی تائید کرجاتے ہیں جس کی تردید کرکے ایک اصولی سوچ والی سیاسی پارٹی کی تشکیل کی ضرورت کے اثبات پر پورا زور لگایا جارہا ہے۔ جماعت اور پارٹی کے نظام میں عملی شمولیت نظریاتی استحکام و تصلب اور واضح موقف کے بغیر اپنی قیادت میں کسی بھی آزاد اور اصولی سوچ والی پارٹی کی تشکیل کس طرح ہوسکتی ہے اور کس طور سے اس سلسلے کی بات قابل توجہ واعتماد ہوگی؟ یہ ایک بڑا سوال ہے جس کا جواب عملاً کوئی آسان نہیں ہے۔ جواب کے بغیر آزاد بھارت میں ملّی سیاست کا رخ اور منزل کا راستہ طے نہیں ہوسکتا ہے۔ □□

بقیہ : —— گاھے گاھے باز خواں...

کارروائی کے موڈ میں نہیں ہے کیوں نہیں ہے اس کی وجہ بھی صاف ہے۔ آج مرکزی حکومت کو اقلیتوں کے تحفظ سے کہیں زیادہ خود اپنے تحفظ کی فکر ہے۔ یوپی اے اپنی بقا اور تحفظ کے لیے ہر پارٹی اور لیڈر کو خوش رکھنا چاہتا ہے اور یہ ہی آج کے ہمارے سوالوں کا جواب ہے۔ یہ کس قدر حیرت وافسوس کی بات ہے کہ جو یوپی اے سیکولرزم کے بلند بانگ دعوؤں اور وعدوں کے ساتھ وجود میں آیا تھا آج وہ خود اپنی بقاء کے لیے فرقہ پرستوں کا منہ تک رہا ہے ورنہ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ممبئی کے سیشن کورٹ کے سخت ترین ریمارک کے بعد بھی اس کا ہاتھ مودی کے گریبان تک نہیں پہنچ رہا ہے۔

لڑکیوں کی شادی کی عمر ۲۱ سال کرنے کا فیصلہ ہندوستانی اقدار کے خلاف

ساری دنیا میں کہیں بھی ایسا قانون نہیں ہے: مولانا حافظ پیر شبیر احمد

حیدرآباد، ۲۱؍دسمبر: صدر جمعیۃ علماء تلنگانہ و آندھرا پردیش مولانا حافظ پیر شبیر احمد نے حکومت ہند کی جانب سے لڑکیوں کی شادی کی عمر کو ۱۸ سال سے بڑھا کر ۲۱ سال کرنے کے فیصلہ کو ہندوستانی اقدار کے خلاف قرار دیتے ہوئے کہا کہ شری نریندر مودی کی قیادت میں حکومت ہند ایسے اقدامات کررہی ہے جو ہندوستانی اقدار کے خلاف ہیں اور ہندوستان کی آبادی جن روایات پر عمل کرتی ہے اس سے میل نہیں کھاتے۔ انہوں نے کہا کہ لڑکیوں کی شادی کی عمر کو بڑھا کر ۲۱ سال کرنا انصاف کے تقاضوں کے مغائر ہے۔ جنسی مساوات کے نعرہ کے تحت حکومت عوام کو شادی کی عمر طے کرنے کے لئے بھی مجبور بنارہی ہے۔ امریکہ، برطانیہ اور یوروپ کے علاوہ دنیا کے دیگر ممالک میں کہیں بھی شادی کی قانونی عمر ۱۸ سال سے زیادہ نہیں ہے۔ وہاں سولہ سترہ سال کی عمر میں شادی کے لئے لڑکے یا لڑکے میں سے کسی ایک کے سرپرست کی منظوری کی شرط ہے۔ ان ممالک میں شادی کی عمر کا قانون تو ہے لیکن مرد اور عورتیں ۲۵ سال کے بعد ہی شادی کرتے ہیں اور یہی طریقہ ہندوستان میں بھی عام ہے۔ خود سرکاری اعداد و شمار یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہندوستان میں جس عمر میں لڑکیوں کی شادی ہوتی ہے اس کا اوسط ۲۲ سال ہے اور لڑکوں کی عمر کا اوسط ۲۵ سال سے بھی زیادہ ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لڑکیاں خود اس عمر سے قبل شادی کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور نوے فیصد سے زیادہ لڑکیوں کی شادی ۲۱ سال کے بعد ہی ہوتی ہے اور یہ ہندو مسلم تمام طبقات کا عام رجحان بن چکا ہے۔ اب جو قانون بنایا جارہا ہے وہ صرف پانچ دس فیصد سے بھی کم افراد کے لئے ہی ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ وزیر اعظم نے کئی بار ون ورلڈ آرڈر نافذ کرنے کا اعلان کیا ہے اور ان کا یہ اقدام بھی اسی سلسلہ کی کڑی کے طور پر دیکھا جانا چاہئے۔ اس لئے حکومت کو چاہئے کہ وہ ملک وقوم کو درپیش دیگر اہم مسائل پر توجہ دے اور متنازعہ قوانین بناتے ہوئے عوام کی توجہ اہم مسائل کی طرف سے ہٹانے کی کوشش نہ کرے۔ اگر حکومت کو صنفی مساوات کا اتنا ہی خیال ہے تو وہ لڑکوں کے لئے بھی شادی کی عمر کو قانوناً ۱۸ سال کردے جیسا کے ساری دنیا میں رائج ہے۔ جب مرد وخواتین دونوں کو ۱۸ سال کی عمر میں ووٹ دینے کا حق ہے تو اسی عمر میں شادی کا حق بھی دیا جانا چاہئے۔ یہ بات مسلمہ ہے کہ لڑکوں کی عمر کم کئے جانے کے باوجود بھی لڑکے اس عمر میں شادی نہیں کریں گے۔

سعودی عرب میں تبلیغی جماعت پر پابندی کی مہم پر اظہار برہمی

امتناع کا مقصد صیہونی ون ورلڈ آرڈر پر عمل آوری: مولانا حافظ پیر شبیر احمد

حیدرآباد، ۱۴؍دسمبر: صدر جمعیۃ علماء تلنگانہ و آندھرا پردیش مولانا حافظ پیر شبیر احمد نے حکومت سعودی عرب کی جانب سے تبلیغی جماعت پر امتناع اور اس کے خلاف چلائی جارہی مہم پر گہری فکر وتشویش کا اظہار کرتے ہوئے اسے اسلام مخالف کارروائی قرار دیا اور کہا کہ اس قسم کی تحریک سے مسلمان اپنے دین سے دور ہوتے چلے جائیں گے اور ان میں بے دینی اور الحاد پھیلے گا۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۲۷ء میں تبلیغی جماعت کا قیام عمل میں آیا اور اس وقت سے ہی لاکھوں لوگ راہِ راست پر آئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ ایک قطعی پرامن تحریک ہے اور اس کے ارکان کبھی بھی کسی قسم کے تشدد یا دہشت گردی میں ملوث نہیں ہوئے ہے۔ بلکہ بارہا اس کے ارکان کو ہی ظلم وتشدد کا شکار بنایا گیا۔ انہوں نے اس پر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا اور اس کو صبر کے ساتھ برداشت کیا ہے۔ مولانا حافظ پیر شبیر احمد نے بتایا کہ ۶؍دسمبر کی شام ٹویٹر پر سعودی عرب کے وزیر امور مذہبی عبداللطیف الشیخ کی جانب سے ایک چونکا دینے والا ٹویٹ بھیجا گیا جس میں مساجد کے مبلغین اور خطیبوں کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ جمعہ کے خطبہ میں اس تبلیغی اور دعوۃ گروپ کے بارے میں بیان کریں جو الاحباب کے نام سے مشہور ہے، لیکن سعودی عرب کے حکمرانوں، قانون نافذ کرنے والوں، جمعہ کا خطبہ دینے والے اماموں اور علمانے الاحباب گروپ کا کوئی ذکر نہیں کیا بلکہ صرف تبلیغی جماعت کی فرضی برائیوں پر ہی زور دیتے رہے۔ ان کا کہنا تھا کہ زندگی صرف قرآن وحدیث کی بنیاد پر ہی گزارنی چاہئے۔ ساتھ ہی سعودی عرب میں بڑے پیمانہ پر ہونے والے منکرات جیسے مرد عورتوں کی مخلوط محفلوں، گانے بجانے کے کنسرٹ پروگرام، کلمہ طیبہ والے قومی پرچم پر کلمہ طیبہ کی بے حرمتی، سنیما تھیٹرز، کیسینو یعنی جوے خانوں، ہوٹلوں میں آزادانہ قیام جیسی برائیوں کا یہ کہتے ہوئے جواز فراہم کیا گیا کہ بدعت معصیت یعنی گناہوں سے زیادہ بری ہوتی ہے۔ وزیر اور مذہبی کے ٹویٹر پیام میں یہ واضح کیا گیا کہ تبلیغی جماعت دہشت گردی کا گیٹ وے ہے۔ انہوں نے بتایا کہ دہشت پسندی کا تبلیغی جماعت، وہابیت اور سلفی ازم سے کوئی تعلق نہیں ہے، جس وقت ہندوستان میں کرونا کی وبا پھیلی، اس وقت تبلیغی جماعت کو نشانہ بنایا گیا اور اس وقت سے ہی میرا یہ خیال رہا کہ ساری دنیا میں تبلیغی تحریک کو ختم کرنے کے لئے اس وبا کا استعمال کیا جارہا ہے۔ کیونکہ دنیا جس ون ورلڈ آرڈر کی طرف جارہی ہے اس کا مقابلہ صرف مسلمان ہی کرسکتے ہیں اور چونکہ تبلیغی جماعت عام مسلمانوں کو دین سے جوڑنے کا اہم ذریعہ ثابت ہوئی ہے اس لئے اس کو کمزور یا ختم کرنا ضروری سمجھا گیا۔ یہ الیومیناٹی یا فری میسن کا ایجنڈا ہے جس کو زور وشور کے ساتھ روبہ عمل لایا جارہا ہے۔ تبلیغی جماعت دیوبندی طرزِ فکر کی حامل ہے اس لئے بریلوی مکتبِ فکر اس کا سخت مخالف ہے۔ وسطی ایشیا کے ممالک ازبیکستان، تاجکستان اور قزاقستان میں تبلیغی جماعت پر پابندی ہے۔ اب سعودی عرب میں پابندی تو تبلیغی ودعوۃ گروپ یعنی الاحباب پر لگائی گئی لیکن اس کا اطلاق تبلیغی جماعت پر کردیا گیا ہے۔ سعودی حکام کی جانب سے جو خطبہ مساجد کو بھیجا گیا اس میں بھی سارا زور تبلیغی جماعت پر ہی لگادیا گیا، یہ معمہ سمجھ سے باہر ہے۔ امریکی وزارت خارجہ نے اپنی رپورٹ میں بیرون امریکہ ۶۵ دہشت گرد گروپوں کے علاوہ داعش سے وابستہ مزید دس گروہوں کی نشاندہی کی ہے اور ان تمام تنظیموں کا تعلق سلفی اور وہابی مسلک سے ہے۔ صدر جمعیۃ علماء نے سعودی عرب میں شریعت اور اسلامی اقدار کی پامالی اور حرمین شریفین کی بے حرمتی کے واقعات پر بھی سخت برہمی کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ سعودی حکمران گزشتہ ایک سو سال سے بتدریج ملک کو اسلام اور اسلامی اقدار سے دور کرتے چلے آئے ہیں۔ اور یہاں صیہونیت کے ایجنڈے کو روبہ عمل لانے کی کوششیں کرتے رہے ہیں۔ اسرائیل کا قیام بھی سعودی عرب کی سازشوں کا نتیجہ ہے۔ انہوں نے مسلمانوں سے گزارش کی کہ وہ اس بلا کے خاتمہ، اسلام کے خلاف سازشوں کی ناکامی اور اسلام کی سربلندی کے لئے بارگاہ رب العزت میں گڑگڑا کر دعائیں کریں۔

جامعہ رحمانی کے مبلغ مولانا شہاب الدین کا انتقال

ان کی پچاس سالہ خدمات کو برسوں یاد رکھا جائے گا: حضرت امیر شریعت

مونگیر ۲۲؍دسمبر ۲۰۲۱ء: جامعہ رحمانی کے عظیم مبلغ مولانا شہاب الدین کوثری اللہ کو پیارے ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون، وہ تقریباً چھیاسی سال کے تھے، ان کی تدفین ان کے آبائی گاؤں ولی پور سپول میں ہوئی، جامعہ رحمانی مونگیر سے سرپرست محترم امیر شریعت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی کی ہدایت پر مولانا مفتی عثمان قاسمی کی قیادت میں علماء کا وفد ان کے جنازہ میں شریک ہوا۔ ان کے جنازہ کی نماز مولانا مفتی محمد عثمان قاسمی استاذ حدیث جامعہ رحمانی نے پڑھائی۔ ان کے انتقال پر خانقاہ رحمانی مونگیر کے سجادہ نشیں امیر شریعت مفکر ملت مولانا احمد ولی فیصل رحمانی نے گہرے رنج وغم کا اظہار کیا ہے، انہوں نے پسماندگان سے صبر جمیل کی تلقین کی، اور ان کے لیے دعا مغفرت بھی کی، انہوں نے اپنے پیغام میں کہا کہ مولانا نصف صدی سے زیادہ عرصہ سے دین کی خدمت کی، جامعہ رحمانی سے جڑے رہے، اور لوگوں تک دین کا پیغام پہنچایا اور خانقاہ رحمانی کی دینی تحریک سے لوگوں کو جوڑا، وہ جامعہ رحمانی کے تربیت یافتہ تھے، والد بزرگوار امیر شریعت مولانا محمد ولی رحمانیؒ اور دادا کے بڑے معتقدین میں سے تھے، حضرت رحمانی نے کہا کہ ان کی گرانقدر خدمت کو برسوں یاد رکھا جائے گا، جامعہ رحمانی کے لیے ان کا انتقال ناقابل تلافی نقصان ہے، انہوں نے کہا کہ دادا حضرت مولانا منت اللہ رحمانیؒ کی تحریک پر مدرسہ رحیمیہ گاڑھا سے وہ مونگیر آئے تھے، پچاس سال میں انہوں نے جامعہ رحمانی اور خانقاہ رحمانی کا پیغام ملک کے کونے کونے تک پہنچایا، کشمیر بھی گئے، وہاں میرواعظ کے وہ مہمان ہوتے تھے۔ جامعہ رحمانی میں ان کے انتقال کی خبر سے غم کی لہر دوڑ گئی، طلبہ واساتذہ نے ان کے لیے اہتمام کے ساتھ تلاوت ومغفرت کی دعاء کی۔

دنیا کا عظیم ترین
سکندر اعظم بھارت میں طاقت کا کیپسول
نیا بھروسہ ایک ہی کیپسول سے زبردست
طاقت و جسمانی کمزوری دور کریں
میڈیکل اسٹور سے خریدیں یا فون کریں:
09212358677, 09015270020

مراسلات

ادارہ کا مراسلہ نگار کی رائے سے اتفاق ضروری نہیں

تفہیم شریعت ورکشاپ کا انعقاد وقت کی ایک اہم ضرورت

مکرمی! گذشتہ دنوں ۴-۵؍دسمبر کو مسلم پرسنل لاء بورڈ کے زیر اہتمام ایک دوروزہ پروگرام میں شرکت کا موقع ملا، تفہیم شریعت ورکشاپ کے عنوان سے یہ پروگرام شہر حیدرآباد کے دور دراز علاقے کی ایک عالیشان اور وسیع وعریض مسجد عالمگیر، عیدگاہ گٹالہ بیگم پیٹ، ہائی ٹیک سٹی میں منعقد ہوا تھا، پروگرام سے دوتین دن قبل میرے ایک دوست جو شہر کی ایک بڑی مسجد کے امام وخطیب ہیں، ان کا پرسنل وہاٹس ایپ میسج موصول ہوا تھا، جو بظاہر اس پروگرام کا اشتہار تھا، یہ بھیج کروہ مجھ سے پروگرام میں شرکت کے تعلق سے میرا ارادہ معلوم کررہے تھے، میں نے اس کا مثبت جواب دیا اور شرکت کی حامی بھرلی، اس پروگرام میں شرکت کا ارادہ تو میں کئی دنوں پہلے کرچکا تھا، کیونکہ اجلاس کے سلسلے میں کئی دنوں سے مسلسل اخبارات میں خبریں شائع ہورہی تھی اور لوگوں سے شرکت کی اپیل کی جارہی تھی، سوشل میڈیا پر بھی اس کے اشتہارات گشت کررہے تھے جس میں علماء، وکلاء، لاء اسٹوڈنٹ اور دانشوران سے بڑی تعداد میں شرکت کی اپیل کی جارہی تھی، چنانچہ پروگرام کے مطابق ہم لوگ ہفتے کے دن صبح ۹ بجے شرکت کیلئے اجلاس گاہ پہنچ گئے، پروگرام کی کارروائی تلاوت سے شروع ہوچکی تھی، استقبالیہ کاؤنٹر پر دوتین علماء ایک رجسٹر لے کر موجود تھے جس میں آنے والے شرکاء کے نام، ایڈریس اور موبائل نمبرات کا اندراج کیا جارہا تھا اور ساتھ میں آنے والے مہمانوں اور شرکاء کو ایک فائل نما بیگ، جس میں ایک قلم، ایک کاپی، اور پروگرام کی تفصیلات کے علاوہ مختلف عنوانات پر گفتگو کے خلاصے ایک صفحے اور دو صفحے میں پیش کئے گئے تھے، شامل تھا، آنے والے تمام شرکاء کو یہ فائلیں دیکر ان کا استقبال کیا جارہا تھا، اور جلسہ گاہ کی جانب رہنمائی کی جارہی تھی، اس میں شرکت کیلئے نہ صرف شہر حیدرآباد بلکہ ریاست تلنگانہ کے علاوہ آندھرا پردیش اور کرناٹک کے اضلاع سے بھی لوگ آئے ہوئے تھے، یہ پروگرام جو خاص طور سے علماء، وکلاء، لاء اسٹوڈنٹ اور دانشور حضرات کیلئے منعقد کیا گیا تھا اس میں عام لوگوں کی بھی اچھی خاصی تعداد شریک تھی، ۵ نشستوں پر یہ دوروزہ پروگرام مشتمل تھا، پہلی اور افتتاحی نشست، مختلف اہل علم کے تعارفی خطاب کیلئے مختص کی گئی تھی، جس میں شہر کے تقریباً تمام تنظیموں کے ذمہ داران شریک ومدعو تھے، دوسری نشست بعد نماز ظہر کیلئے 'تعدد ازواج' کا موضوع مقرر تھا، اس موضوع پر مقالہ پیش کرنے کیلئے مہاراشٹر کے مالیگاؤں شہر سے ایک کثیر المطالعہ ندوی عالم، مولانا عارف جمال ندوی صاحب مدعو کیے گئے تھے، تیسری نشست بعد نماز مغرب تا عشاء رکھی گئی تھی، اس نشست کیلئے تین موضوعات منتخب تھے، پہلا موضوع 'طلاق کی مشروعیت' سے متعلق تھا، اس کیلئے شہر حیدرآباد کے ایک معروف اور اہل قلم شخصیت مولانا احمد ومیض ندوی صاحب متعین تھے، اسی طرح اس نشست کا دوسرا موضوع 'طلاق قبل التحکیم' تھا، اس پر مقالہ پیش کرنے کیلئے حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کے قابل فرزند اور نوجوان عالم، مولانا عمر عابدین قاسمی مدنی متعین تھے، اس نشست کا تیسرا عنوان 'نفقہ مطلقہ' تھا اور اس کیلئے دہلی سے مولانا تبریز عالم قاسمی آرگنائزر تفہیم شریعت کمیٹی بورڈ، مدعو تھے، اس طرح پہلے دن کا پروگرام ختم ہوگیا، دوسرے دن یعنی ۵؍دسمبر اتوار کو چوتھی نشست صبح نو بجے ناشتے کے بعد شروع ہوئی، اس نشست کیلئے دو عنوان منتخب کئے گئے تھے، ایک تھا 'خواتین کا حق میراث' اس عنوان پر محاضرے کیلئے شہر کے ہی ایک عالم، مولانا ڈاکٹر فہیم اختر ندوی صاحب پروفیسر اسلامک اسٹڈیز مانو یونیورسٹی مدعو تھے، اسی طرح اس نشست کا دوسرا عنوان تھا 'یتیم پوتے کا حق میراث' اس موضوع پر مقالہ پیش کرنے کیلئے مولانا تبریز عالم قاسمی دہلی متعین تھے، پانچویں اور آخری نشست مختلف علماء کے خطابات وتاثرات، اور دعاء وتشکر پر مشتمل تھی، یہ دوروزہ پروگرام پانچ نشستوں اور چھ اہم عناوین پر بورڈ کے نئے جنرل سکریٹری، فقیہ العصر حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا، مولانا رحمانی گذشتہ ماہ ۲۰-۲۱؍نومبر کو بورڈ کے دوروزہ اجلاس کانپور میں جنرل سکریٹری منتخب ہوئے ہیں، اس سے قبل بورڈ کے جنرل سکریٹری مولانا ولی رحمانی صاحب کے انتقال کے بعد اپریل کے شروع میں انھیں صدر بورڈ کی جانب سے کارگذار جنرل سکریٹری نامزد کیا گیا تھا، غالباً حیدرآباد کا یہ پہلا پروگرام ہے جو مولانا رحمانی کے جنرل سکریٹری بننے کے بعد منعقد ہوا ہے، اس پروگرام کے انعقاد کا مقصد جیسا کہ اس کے عنوان سے ظاہر ہے، دوسرے الفاظ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ تفہیم کے معنی تعلیم دینا، آگاہ کرنا، سمجھنا اور ہدایت کرنا ہے، اردو میں اس کے مترادف الفاظ بھی استعمال ہوتے ہیں، مثلاً سکھانا، سمجھانا، پڑھانا، اور فہمائش کرنا وغیرہ، مختصر الفاظ میں یہ سمجھئے کہ اس پروگرام کے انعقاد کا دو مقصد ہے نمبر ایک یہ کہ پہلے شریعت کو سمجھا جائے، اسلامی قوانین سے بڑے پیمانے پر واقفیت حاصل کی جائے اور پھر اسے دوسرے لوگوں کو سمجھایا جائے، ایک تو یہ کہ پہلے ہم خود سمجھیں اور پھر اسے دوسروں کو، یعنی سامنے والوں کو سمجھائیں یہی اس پروگرام کا اصل مقصد ہے، تفہیم شریعت کمیٹی، مسلم پرسنل لاء بورڈ کا ایک اہم شعبہ ہے جسے غالباً ۲۰۰۵ء میں بھوپال کے بورڈ کے اجلاس میں قائم کیا گیا ہے، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب اس شعبے کے کنوینر ہیں، وہ ایک جگہ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں کہ بھوپال میں ایک مستقل شعبہ تفہیم شریعت کا قائم کیا گیا ہے، جس کا مقصد فقہاء (چنندہ علماء) اور وکلاء کا اسلامی قوانین پر باہمی مذاکرہ اور مشترک طور پر قانون شریعت کی معقولیت کو سمجھنے کی کوشش کرنا ہے، موجودہ حالات میں اس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اس شعبہ کو مزید فعال بنایا جائے اور اس کے زیادہ سے زیادہ پروگرام رکھے جائیں، اس کام کیلئے ایسے اجتماعات منعقد کئے جائیں، جن میں وکلاء، قانون داں، دانشوران اور مثبت مزاج کے حامل صحافی حضرات ہوں، وکلاء، قانون داں جب قانون وشریعت اور اس کی حکمتوں کو سمجھ لیں گے تو وہ عدالتوں میں ان کو بہتر طور پر پیش کرسکیں گے، دانشور اور صحافی حضرات جب اس سے واقف ہوجائیں گے تو ذرائع ابلاغ وغیرہ میں وہ شرعی نقطۂ نظر کی ترجمانی کرسکیں گے، مذاکرہ کا طریقہ یہ ہونا چاہیے کہ ایک تا ڈیڑھ گھنٹہ قانون شریعت کے کسی پہلو (منتخب عنوان) پر آسان اور واضح زبان میں فقہی احکام کو پیش کیا جائے، اور پھر نصف گھنٹہ سے پون گھنٹے سوال وجواب کا سیشن ہو، مذاکرہ کے موضوعات کے انتخاب کی ایک صورت تو یہ ہے کہ کسی زمانے میں جو خاص مسئلہ اٹھا ہوا ور وہ کسی عدالتی فیصلہ یا میڈیا کی خبر کی بنیاد پر موضوع بحث بن گیا ہو، جیسا کہ گذشتہ دنوں متبنّیٰ اور دارالقضاء کا مسئلہ پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کا موضوع بن گیا تھا یا جیسے فی الحال تین طلاق اور تعدد ازدواج کا موضوع ہے، ان کو مجلس مذاکرہ کا موضوع بنایا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ مسلم پرسنل لاء کے موضوعات میں سے کسی ایک موضوع پر بحث کی جائے، جیسے ایک دن قانون نکاح پر بحث ہو، اور دوسرے دن قانون طلاق پر وغیرہ۔

مذکورہ اقتباس سے آپ نے تفہیم شریعت کمیٹی اور اس کے طریقہ کار کو سمجھ لیا ہوگا، حیدرآباد میں جو پروگرام ہوا اس میں ایک کمی تو یہ رہی کہ اکثر نشستوں میں سوال وجواب کا سیشن وقت کی کمی وجہ سے غائب ہوگیا، بعض نشستوں میں سوال وجواب کیلئے تھوڑا سا وقت دیا گیا جو ناکافی تھا، اسی طرح جن (باقی صــ۱۴ پر)

ALJAMIAT (URDU WEEKLY) NEW DELHI Postal Registration No. DL(C)-01/1267/2021-23
Publishing Date: 24 December 2021 Posting Days MON. TUE. at N.D.P.S.O. New Delhi R.N.I. 38985/82

منظر پس منظر م-ع-ج

• گجرات میں ہندوتوا کے مظاہرے • دیہی علاقوں میں بھی بربریت

• مدراس ہائی کورٹ کا مناسب فیصلہ

گجرات میں ہندوتوا کے مظاہرے

سڑکوں پر ہندوتوا کا تازہ ترین حملہ کچھ قصبوں اور شہروں کی شاہراہوں اور اہم سڑکوں سے گلیوں تک نان ویج (گوشت کی) غذاؤں پر پابندی عائد کرنا ہے۔ یہ عجیب طریقے سے گجرات میں ہو رہا ہے جسے ہندوتوا کی تجربہ گاہ تصور کیا جاتا ہے۔ اس کے تحت نان ویج غذائیں فروخت کرنے والے دکانداروں کو نشانہ بنایا گیا ہے اور ہندوتوا کے کٹر عناصر کے ذریعہ نہیں بلکہ ریاست کے دارالحکومت احمد آباد سمیت چار شہروں کے بلدی حکام کے ذریعہ کہا گیا ہے کہ وہ عام شاہراہوں سے چھوٹی سڑکوں پر منتقل ہو جائیں۔ بے دخلی کے احکامات کی بیان کردہ بنیاد یہ ہے کہ اہم سڑکوں پر اسٹریٹ فوڈ غیر صحت بخش اور بدبودار مانا جا رہا ہے۔ یہ معلوم نہیں

> مخالفت کے لیے نان ویج غذاؤں کو نشانہ بنانا قطعی غیر معقول رویہ ہے، کیونکہ یہ نان ویج ہندوؤں کے لیے شجر ممنوعہ نہیں ہے۔ ملک کے شہریوں کی اکثریت بشمول ہندو خاندانی عادات یا اپنی پسند سے گوشت خور ہیں۔ لہٰذا کھانے کی ترجیحات اور ممنوعات کسی بھی صورت میں شہریوں پر مسلط نہیں کی جاسکتیں۔

ہے کہ چھوٹی سڑکوں پر فروخت ہونے پر ایسا کھانا صحت بخش کیسے ہو جائے گا۔ کھانے کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے بدبو کو اب تک ایک مکمل معیار کے طور پر استعمال نہیں کیا گیا ہے اور ایک کے لیے بدبو والا کھانا دوسرے کے لیے خوشبودار کھانا ہوسکتا ہے۔ یہ بھی ایک نیا انکشاف ہے کہ چھوت چھات کی طرح اب ملک میں بو کو بھی برداشت نہ کرنے والے موجود ہیں۔ یہ واضح ہے کہ یہ مہم مسلمانوں کے خلاف ہے، جن کی اسٹریٹ فوڈ شعبہ میں خاص طور پر نان ویج غذاؤں کے فروخت میں بڑا حصہ ہے۔ مخالفت کے لیے نان ویج غذاؤں کو نشانہ بنانا قطعی غیر معقول رویہ ہے، کیونکہ یہ نان ویج ہندوؤں کے لیے شجر ممنوعہ نہیں ہے۔ ملک کے شہریوں کی اکثریت بشمول ہندو خاندانی عادات یا اپنی پسند سے گوشت خور ہیں۔ لہٰذا کھانے کی ترجیحات اور ممنوعات کسی بھی صورت میں شہریوں پر مسلط نہیں کی جاسکتیں۔

بو اور حفظانِ صحت، نان ویج غذا پر امتناع عائد کرنے کی وجوہات نہایت ناقص ہیں۔ کیونکہ ویجیٹیرین کھانا بھی ان بنیادوں پر اتنا ہی ناقص ہوسکتا ہے۔ اگر صحت کی حفاظت اس کارروائی کی وجہ ہے تو کھانے پینے کی دکانوں اور ریستورانوں کی پوری سڑکوں کو خالی کروانا پڑ سکتا ہے۔ عوامی مقامات پر ناجائز قبضوں کو بھی ایک متبادل خیال کے طور پر وجہ بتائی گئی ہے مگر اس کا اطلاق بھی صرف نان ویج غذائیں فروخت کرنے والوں پر نہیں ہوسکتا۔ یہ بھی دعویٰ کیا گیا ہے کہ یہ کارروائی کچھ مقامی لوگوں کی شکایات کی بنیاد پر کی گئی ہے۔ یہ ایک مبہم اور غیر مناسب بنیاد ہے جسے صحیح قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اگر ایسی شکایات ہیں بھی تو انھیں نظر انداز کرنے کی ٹھوس وجوہات بھی موجود ہیں۔

اسٹریٹ فوڈ لاکھوں لوگوں کے لیے ایک روایت ہے اور اسے چھوٹی سڑکوں پر منتقل کرنے کا مطلب کئی لوگوں کو تکلیف دینا اور انھیں ان غذاؤں تک رسائی دینے سے انکار کرنا بھی ہے۔ اسٹریٹ فوڈ فروخت کرنا لوگوں کی ایک بڑی تعداد کے لیے ذریعہ معاش ہے۔ کاروبار اکثر اس کے مقام پر ہوتا ہے اور بے دخلی کا مطلب کاروبار کا خاتمہ ہوسکتا ہے۔ حکومتی پالیسیوں نے ہمیشہ اسٹریٹ فوڈ کے کاروبار کو سپورٹ اور فروغ دیا ہے اس لیے بے دخلی کی مہم غلط اور محرکات پر مبنی نظر آتی ہے۔ حکومت کو اس پر روک لگانی چاہیے۔ گجرات کے وزیر اعلیٰ بھوپیندر پٹیل اور ریاستی بی جے پی کے صدر سی آر پاٹل نے اس مہم کے خلاف بات کی ہے۔ یہ خوش آئند ہے۔ انھیں عملی جامہ پہنانا چاہیے۔

دیہی علاقوں میں بھی بربریت

مدھیہ پردیش میں ریوا ضلع کے پڑریا گاؤں سے اجرت مانگنے پر گزشتہ دنوں ایک مزدور پر جان لیوا حملہ کرنے اور اس کا ہاتھ قلم کرنے کا جو واقعہ سامنے آیا ہے، وہ کسی بھی حساس معاشرہ کو دہلا دینے کے لیے کافی ہے، لیکن اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آج بھی ملک کے کمزور طبقات کے افراد کو اپنا حق مانگنے پر اکثر کیسی صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ گاؤں میں میسن کا کام کرنے والے ایک دلت مزدور نے صرف اپنے کام کی مزدوری مانگی اور کام کرانے والے شخص نے اس کے عوض اس پر تلوار سے حملہ کر دیا۔ اس وقت مزدور کی جان تو کسی طرح بچ گئی لیکن تلوار کے وار سے اس کا ہاتھ کٹ کر الگ ہو گیا۔ بری طرح زخمی حالت میں اسے اسپتال پہنچایا گیا۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ آج بھی دیہی علاقوں میں کس طرح کی جاگیردارانہ فطرت اپنے وحشی انداز میں کام کر رہی ہے۔ اس معاملے میں اطمینان بخش پہلو بس یہ رہا کہ خبر ملنے کے بعد پولیس محکمہ نے مستعدی کا مظاہرہ کیا اور بروقت کارروائی کر کے ملزمین کو گرفتار کیا۔ ساتھ ہی متاثرہ مزدور کا کٹا ہاتھ تلاش کر کے اسپتال پہنچایا اور ڈاکٹروں سے اسے جوڑنے کی کوشش کرنے کی درخواست کی۔ یہ واقعہ بتاتا ہے کہ جھوٹی برتری سے پیدا ہوئے زعم میں انسان کس حد تک ظالم ہوسکتا ہے۔ سوال ہے کہ ایک مزدور سے کام کرانے والے کسی شخص کے اندر ایسی حساسیت، حق تلفی کرنے کی فطرت کا ذریعہ کیا ہے اور مزدوری یا حق مانگنے پر کسی کا قتل تک کر ڈالنے کی جسارت کہاں سے آتی ہے؟ یقینی طور پر اس طرح کا جاگیردارانہ اور ظالمانہ برتاؤ کرنے والے شخص کو بھی یہ پتہ ہوگا کہ اس کی ایسی حرکت کے بعد قانون کے کٹہرے میں اس کا کیا انجام ہوگا۔ مگر عام طور پر ایسے افراد کے اندر اس بات کا بھروسہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی سماجی

> ششی کلا کے بھانجے سدھا کرن کو جے للتا کی جانب سے گود لیے جانے کے بعد دیپا اور دیپک جے للتا سے دور ہو گئے تھے۔ چونکہ ششی کلا کے خاندان سے دیپک کے اچھے تعلقات ہیں۔ سیاسی حلقوں میں قیاس ظاہر کیا جا رہا ہے کہ ششی کلا اس عمارت کا راست یا بالواسطہ استعمال کر سکتی ہیں۔ یہ مکان جے للتا کی رہائش گاہ ہی نہیں بلکہ سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بھی تھا۔

حیثیت اور معاشی قوت کے بل پر انتظامیہ اور نظام میں بیٹھے لوگوں کو اپنے حق میں کر کے سزا سے بچ جائیں گے۔ دراصل ایسے معاملے اکثر آتے رہے ہیں جس میں کمزور یا دلت طبقے کے افراد کے خلاف ہوئے جرائم، مظالم کے معاملات میں پولیس کا رویہ نہ صرف بے اعتنائی والا دیکھا گیا بلکہ کئی بار وہ ملزم اور بارسوخ طبقہ کے دفاع تک میں کھڑی نظر آئی۔ ایسے میں انصاف کی امید دھندلی ہو جاتی ہے، لیکن اس کے متوازی زیادہ پیچیدہ صورتحال یہ ہے کہ اس طرح کے پرتشدد رویہ کا بنیادی ذریعہ ایسے شخص کے اندر اپنی سمجھی حیثیت سے پیدا انا اور بیمار ذہنیت ہوتا ہے۔ جس میسن کا ہاتھ کاٹ دیا گیا وہ دلت پس منظر سے تھا اور حملہ آور اونچی کہی جانے والی ذات سے تعلق رکھتا تھا۔ ہمارے سماج میں ذات کی شناخت سے چلنے والی ذہنیت کیا اس کی جڑ میں نہیں ہے کہ دبنگ حیثیت والے لوگ کمزور ذات یا طبقے کے خلاف اس حد تک جارح ہو جاتے

(باقی صفحہ ۱۴ پر)

مسلمانوں کو کھلے عام قتل کرنے کی دھمکی کے باوجود حکومت کی خاموشی ملک کیلئے انتہائی نقصاندہ

صدر جمعیۃ علماء ہند مولانا محمود مدنی نے وزیر داخلہ امت شاہ اور اتراکھنڈ کے وزیر اعلیٰ پشکر دھامی کو خط لکھ کر ہری دوار کے 'دھرم سنسد' کے منتظمین و مقررین کے خلاف سخت کارروائی کا مطالبہ کیا

نئی دہلی: جمعیۃ علماء ہند کے قومی صدر مولانا محمود مدنی نے ہریدوار میں شرپسند عناصر کی طرف سے سہ روزہ دھرم سنسد میں نفرت انگیز تقاریر اور مسلمانوں کا کھلے عام قتل کرنے کی دھمکی دینے پر تشویش کا اظہار کیا ہے۔ جمعیہ نے اس سلسلے میں حکومت اور انتظامیہ کی طرف سے خاموش رویہ اختیار کرنے کو پشت پناہی سے تعبیر کیا اور اسے ملک کے لیے انتہائی نقصان دہ بتایا ہے۔ مولانا محمود مدنی نے ملک کے وزیر داخلہ امت شاہ، اتراکھنڈ کے وزیر اعلیٰ پشکر سنگھ دھامی، قومی اقلیتی کمیشن اور نیشنل ہیومن رائٹس کو خط لکھ کر اس پر فوری توجہ دینے کی اپیل کی ہے۔ انھوں نے اپنے خط میں لکھا ہے کہ یہاں جو کچھ ہو رہا ہے، وہ ملک کے امن و امان، فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے لیے شدید خطرہ ہے۔ اس لیے میرا مطالبہ ہے کہ منتظمین اور مقررین کے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ واضح ہو کہ ۱۷ر تا ۱۹ر دسمبر ۲۰۲۱ء کے مابین ہری دوار میں 'اسلامی ہندستان میں سناتن دھرم: مسائل اور حل' کے عنوان سے ایک تقریب منعقد ہوئی۔ تقریب میں بہت سے مقررین نے اشتعال انگیز اور منافرت پر مبنی تقاریر کیں، مسلمانوں کی نسل کشی کی کھلم کھلا اپیل کی گئی اور پوری ہندو برادری کو مسلح کرنے پر زور دیا۔ ایک مقرر اور پروگرام کا سرپرست اعلیٰ یتی نرسنگھانند نے کہا کہ اگر کوئی ہندو، دہشت گرد تنظیم ایل ٹی ٹی ای چیف پربھاکرن بننا چاہتا ہے تو میں اس مقصد کے لیے سب سے پہلے ایک کروڑ روپیہ پیش کروں گا اور بقیہ سو کروڑ تک اکٹھا کر سکتا ہوں۔ ہر ہندو مندر کو ایک پربھاکرن کی ضرورت ہے۔ دوسری مقرر انپورنا ماں نے کہا کہ اگر سو ہندو فوج بنا کر بیس لاکھ مسلمانوں کو قتل کر دے تو اسے ہندو کی فتح قرار دی جائے گی۔ ایک اور مقرر نے کہا کہ میانمار کی طرح، یہاں بھی (ہندستان) میں فوج، پولیس، لیڈر اور ہر ہندستانی شہری کو ان (مسلمانوں) کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے صفائی مہم میں شامل ہونا چاہیے۔ تیار رہیں اور ایسا کرنے کی تیاریوں پر تبادلہ خیال کریں۔ مولانا مدنی نے اپنے مکتوب میں ان بیانات کا حوالہ دے کر حکومت کو متوجہ کیا ہے کہ وہ ملک کے آئین اور قانون کی حکمرانی و بالادستی کی حفاظت کرے اور آئینی عہدے کی اپنی ذمہ داری کو سمجھتے ہوئے آگے بڑھ کر ملک میں انارکی اور نفرت پھیلانے والے عناصر کو کیفر کردار تک پہنچائے۔

جمعیۃ علماء ہند کے محترم صدر اور دارالعلوم دیوبند کے معاون مہتمم
امیرالہند حضرت مولانا قاری سید محمد عثمان صاحب منصورپوری نوراللہ مرقدہٗ
کی حیات و خدمات پر مشتمل
ہفت روزہ الجمعیۃ نئی دہلی کا
امیرالہند رابع نمبر
اپنی پوری شان کے ساتھ منظر عام پر آچکا ہے
صفحات: ۸۱۲ سائز: ۲۳×۳۶/۸ قیمت -/800
رابطہ: ہفت روزہ الجمعیۃ، مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
موبائل: 0986867648 — ای میل: aljamiatweekly@gmail.com

ضروری اعلان
آپ براہِ کرم مدتِ خریداری ختم ہوتے ہی زرِ سالانہ ارسال فرمائیں۔ خط و کتابت میں خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیں۔
ادائیگی کے طریقے: 1 بذریعہ منی آرڈر
2 Paytm یا PhonePe کے ذریعہ 9811198820 پر
ALJAMIAT WEEKLY
3 آن لائن ادائیگی کیلئے بینک اکاؤنٹ کی تفصیل
A/c. 912010065151263
Axis Bank, Branch: Chitranjan Park, N.D.
IFS Code : UTIB0000430

ہفت روزہ الجمعیۃ انٹرنیٹ پر بھی دستیاب ہے، لاگ آن کریں: www.aljamiat.in
رابطہ: 9811198820 ای-میل: aljamiatweekly@gmail.com

شرح خریداری

سالانہ	200/-
ششماہی	100/-
فی پرچہ	5/-
پاکستان اور بنگلہ دیش کے لئے	2500/-
دیگر ممالک کے لئے	3000/-

رابطہ: منیجر ہفت روزہ الجمعیۃ مدنی ہال (بیسمینٹ) ۱، بہادر شاہ ظفر مارگ، نئی دہلی ۲
فون: 011-23311455

Printed & Published by SHAKIL AHMAD SYED on behalf of Jamiat Trust Society printed at Shervani Art Printers, 1480, Qasimjan Street, Ballimaran, Delhi-6 and Published from Madani Hall,1, Bahadur Shah Zafar Marg, New Delhi-110002. Editor MOHD. SALIM, Ph. No. 23311455, 23317729, Fax No.: 23316173.
Designing & Composing: HUMRAN AZMI